# چلو آؤ قسم توڑیں اقرار کریں

حنا ملک

نہ ملا کر اُداس لوگوں سے
حُسن تیرا بکھر نہ جائے کہیں
آرزو ہے کہ تُو یہاں آئے
اور پھر عمر بھر نہ جائے کہیں

"حوریہ! تم سے کوئی ملنے آیا ہے۔" سعدیہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"مجھ سے؟ بابا سائیں ہوں گے۔" وہ پیروں میں چپلیں ڈالتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ایک نظر آئینے میں اپنے آپ کو دیکھا سر پر سلیقے سے دوپٹہ ڈال کر وہ باہر چلی آئی۔

"السلام علیکم بابا سائیں آپ؟" وہ بولتے بولتے ایک دم خاموش ہوگئی۔ "آپ یہاں؟" وہ حیران تو ہوئی سو ہوئی مگر لہجہ بھی خود بخود ناگوار سا ہوگیا۔

"کیوں۔ میرے یہاں آنے پر پابندی ہے کیا؟" وہ دلکشی سے مسکرایا تھا۔

"کوئی کام تھا کیا؟" وہ بڑی مشکل سے اپنے لہجے کی کڑواہٹ چھپا پائی تھی۔

"کام۔" وہ مسکرایا پھر اس کے مقابل آن کھڑا ہوا۔ "کبھی فرصت سے مل بیٹھیں گے تو کام بھی بتادوں گا۔" اس نے اس کی آنکھوں میں جھانکا حوریہ کو وہ زہر لگ رہا تھا۔ "شہر آیا تو سوچا تم سے ملتا جاؤں۔ بہت دن ہوگئے تمہیں دیکھے ہوئے۔"

"دیکھ لیا ناں۔ اب پلیز آپ تشریف لے جائیں۔" وہ ناگواری سے کہتی پلٹ گئی۔ ضمائر شاہ کے مسکراتے لب بھنچ گئے۔ اپنے اندر اُٹھتی غصے کی لہر کو اس نے بڑی مشکل سے دبایا تھا۔

"کون تھا؟" وہ اندر داخل ہوئی تو سعدیہ نے دریافت کیا۔

"ہونہہ۔ گھٹیا' کمینہ۔ ایسا بے غیرت ہے کہ میں نے اتنا ذلیل کیا پھر بھی منہ اُٹھائے چلا آیا۔" وہ سخت غصے میں تھی۔

"اوہ۔ ضمائر بھائی کی بات کررہی ہو۔" سعدیہ خواہ مخواہ مسکرائی تو وہ تپ گئی۔

"بھائی ہوگا وہ تمہارا۔"

"ہاں تو میں نے کب کہا کہ وہ تمہارا بھائی ہے۔ تمہارا تو وہ......"

"بکومت۔ میں کوئی چیز اُٹھا کر تمہارے سر پر دے ماروں گی۔" اس نے سرعت سے سعدیہ کی بات کاٹی۔

"حوریہ شاہ! وہ اتنا بُرا تو نہیں جتنا تم......" سعدیہ اب اپنے بیڈ پر بیٹھ چکی تھی۔

’’تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ وہ بُرا نہیں ہے؟‘‘ حوریہ نے ایک بار پھر اُس کی بات کاٹی۔

’’اور تم کیوں کہہ رہی ہو کہ وہ بُرا ہے؟‘‘ سعدیہ نے ترکی بہ ترکی کہا۔

’’میں تم سے زیادہ جانتی ہوں اُسے۔ ویسے بھی تم کتنا جانتی ہو اُسے۔ یہی ناں کہ وہ میرا تایا زاد ہے۔ کروڑوں کی جاگیر کا مالک ہے۔ آکسفورڈ کا ڈگری ہولڈر ہے۔ ہونہہ۔ ان تمام باتوں سے تم کسی کی اچھائی یا برائی کا کیسے اندازہ کر سکتی ہو؟‘‘

’’چلو مان لیا تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ مگر وہ تمہارا منگیتر ہے۔‘‘

’’میں نہیں مانتی ان بچپن کے فیصلوں کو۔‘‘

’’تمہارے ماننے یا نہ ماننے سے کیا ہوگا۔ تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ بڑے شاہ کے فیصلے بدلا نہیں کرتے۔‘‘ سعدیہ نے تلخ سچائی بیان کی تھی۔

’’مگر اس بار انہیں اپنا فیصلہ بدلنا پڑے گا۔‘‘ وہ زہریلے لہجے میں بولی تھی۔ ضمائر شاہ تو اُسے کبھی بھی اچھا نہیں لگا تھا۔ اور خاص طور پر دُعا کا رشتہ سکندر شاہ سے طے کروانے میں اُسے سراسر ضمائر شاہ کا قصور نظر آتا تھا۔ اُس کے خیال میں وہ بڑے شاہ کا لاڈلا تھا اور چاہتا تو یہ رشتہ طے ہونے سے روک سکتا تھا۔ باقی ڈھونڈنے پر بھی اُس میں کوئی خرابی نہ ملتی تھی مگر حوریہ کو اُس سے ایک نامعلوم سی چڑ ہو چلی تھی۔ بے حد ہینڈسم اور مردانہ وجاہت کا شاہکار یہ شخص حوریہ شاہ کو متاثر کرنے میں ناکام رہا تھا۔ حوریہ سمجھتی تھی کہ اس بے پناہ وجاہت اور جائیداد نے اُسے اور مغرور بنا دیا تھا۔ آکسفورڈ کی ہوا لگنے پر تو غرور میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔ حوریہ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی تھی وہاں ہمیشہ سے مرد کی اجارہ داری تھی۔ حیات شاہ گھر کے سربراہ تھے۔ اُصول پسند اور سخت گیر۔ اُن کا کہا پتھر پر لکیر ہوتا تھا۔ کسی کو اُن کے فیصلوں سے انحراف کرنے کی جرأت نہ تھی۔ دونوں بیٹے بھی اُن کے سامنے آنکھ اُٹھانے کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ سب لوگ اُنہیں بڑے شاہ کے نام سے پکارتے تھے۔ وہ جدی پشتی رئیس تھے۔ کہنے والے تو یہ کہتے تھے کہ یہ تمام جائیداد زمینیں باغات انگریز حکومت کے عطا کردہ تھے مگر کسی کو آج تک اُن کے سامنے یہ بات کرنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ حیات شاہ کے دادا فرجاد شاہ کہا کرتے تھے کہ اُن کا سلسلہ نسب تیسری پشت میں سندھ کے ایک معزز اور بااثر خاندان سے جا ملتا ہے۔ محمد بن قاسم کے زمانے میں اُس خاندان کے مردوں نے بھی راجہ داہر کی حکومت کے خلاف محمد بن قاسم کا ساتھ دیا تھا۔ پیشے کے لحاظ سے وہ لوگ زمیندار تھے اور گزرتے وقت کے ساتھ اُن لوگوں نے خاصی ترقی کی تھی۔ حیات شاہ نے عنایت شاہ ولایت شاہ اور زرینہ شاہ کے بچوں کے رشتے اُن کے بچپن میں ہی طے کر دیئے تھے۔ اُن کے اس فیصلے کے آگے بولنے کی جرأت آج تک کسی کو نہیں ہوئی تھی مگر حوریہ شاہ نے اپنے اندر یہ جرأت پیدا کرنے کی ٹھان لی تھی۔

’’کہیں جا رہی ہو کیا؟‘‘ سعدیہ نے نک سک سے تیار حوریہ کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

’’ہاں ذرا مارکیٹ تک جا رہی ہوں۔ کچھ منگوانا ہے تو بتا دو۔‘‘ اُس نے اپنے تراشیدہ شہد رنگ بالوں کو پونی میں قید کیا۔ اورنج اور ریڈ کنٹراسٹ کا جدید تراش خراش کا کاٹن کا سوٹ اُس کے جسم پر سج سا گیا تھا۔ دودھیا پیروں میں نفیس سے ریڈ اسٹریپ والی سینڈل تھی۔

’’نہیں۔ ابھی پرسوں تو میں بازار گئی تھی۔‘‘ سعدیہ نے ایک نظر اُس حسن کی مورت کو تکتے ہوئے کہا۔

’’او کے۔ پھر میں چلتی ہوں۔‘‘ وہ سن گلاسز سر پر ٹکاتی اپنا ہینڈ بیگ لیے باہر کی طرف بڑھ گئی۔ سب سے پہلے اُس نے گاڑی کا رُخ اپنے پسندیدہ بوتیک کی طرف کیا۔

’’مسز شیرازی اپنے آفس میں ہیں؟‘‘ اُس نے کاؤنٹر پر کھڑی لڑکی سے دریافت کیا جو اُسے دیکھتے ہی ہمیشہ کی طرح سلام کرنے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

’’جی ہاں۔‘‘ لڑکی کے کہنے پر وہ اندر بنے آفس میں داخل ہو گئی۔ مسز شیرازی کے ساتھ کوئی اور بھی موجود تھا۔ وہ ایک لمحے کو دروازے میں ہی رُک گئی۔ دفعتاً مسز شیرازی کی نظر اُس پر پڑی۔

’’ارے حوریہ آؤ ناں۔ رُک کیوں گئیں؟‘‘ مسز شیرازی کے کہنے پر وہ آگے بڑھی جو اب کرسی پر بیٹھ چکی تھی۔

’’حوریہ! اِن سے ملو۔ یہ شمیل خان ہیں۔ ’خان ٹیکسٹائل ملز‘ کے اونر اور شمیل صاحب! یہ حوریہ ہیں‘ ہماری مستقل گاہک۔‘‘ مسز شیرازی نے تعارف کی رسم نبھائی۔ دونوں نے



ایک دوسرے کو رسمی مسکراہٹ پاس کی۔

’’او کے مسز شیرازی میں چلتا ہوں۔‘‘ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ مسز شیرازی اُس کے ساتھ دروازے تک گئیں۔

’’حوریہ۔ میں بس تمہیں کال کرنے ہی والی تھی۔ چند نئے ڈیزائنز آئے ہیں‘ ابھی بند پڑے ہیں۔ میں نے سوچا پہلے تمہیں دکھا دوں‘ پھر شاپ میں رکھوں گی۔‘‘ مسز شیرازی اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اپنے ازلی خوشامدی لہجے میں بولیں۔

’’ٹھیک ہے۔ وہ میں دیکھ لیتی ہوں‘ دراصل مجھے ’شایان ملک‘ سے ملنا تھا۔ آپ نے بتایا تھا کہ آپ ایک آدھ بار مل چکی ہیں اُن سے۔‘‘

’’خیریت۔ کہیں شادی وادی کا چکر تو نہیں ہے؟‘‘ مسز شیرازی معنی خیزی سے مسکرائیں۔

’’ہے تو۔ مگر میری نہیں اَدا سلمان کی۔ میں اپنی بھابی کے عروسی جوڑے اُن ہی سے ڈیزائن کروانا چاہتی ہوں۔‘‘

’’ٹھیک ہے۔ میں اُن سے اپائنٹمنٹ لے کر تمہیں مطلع کر دوں گی۔‘‘

’’او کے۔ پھر میں چلتی ہوں۔‘‘ وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

’’وہ ڈریسز تو دیکھ لو۔‘‘

’’اوہ ہاں۔ آپ نکلوائیے‘ میں دیکھ لیتی ہوں۔‘‘ بالکل نئے پرنٹس اور ڈیزائن تھے۔ اُس نے اپنے علاوہ دُعا مریم اور ہادیہ کے لیے بھی پیک کروا لیے۔

♥♥♥

اُس کے لبوں سے ایک سرد آہ کراہ کی صورت میں خارج ہوئی تھی۔ یہ درد تھا کہ کم ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔ حبس بڑھ رہا تھا۔ عجیب گھٹن سی تھی۔ وہ اندر ہی اندر مر رہی تھی۔ کوئی تو ہو جو رُوح پر لگے گھاؤ دیکھ سکے۔ اس درد کا درماں کر سکے جو کینسر کی طرح پھیلتا ہی جا رہا تھا۔ یہ کیسا درد تھا جو رُوح کا ناسور بن گیا تھا؟ اُس نے شدتِ کرب سے آنکھیں میچ لیں۔ آنسوؤں نے تو اُس کی آنکھوں میں گویا مستقل ڈیرے ڈال لیے تھے۔

’’دُعا بی بی۔‘‘ ملازمہ کی آواز پر وہ چونکی۔

’’ہاں کیا بات ہے؟‘‘

’’وہ جی بڑی بی بی آپ کو بلا رہی ہیں۔‘‘

’’تم چلو میں آتی ہوں۔‘‘ کچھ ہی دیر بعد وہ وہاں موجود تھی۔

’’ماں جی۔ آپ نے یاد کیا تھا؟‘‘ دھیمے انداز میں کہتی وہ اُن کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

’’ہاں بیٹا۔ یہ دیکھو تمہارے زیورات بن کر آ گئے ہیں۔ اگر پسند نہ آئیں تو......‘‘

’’ماں جی! جو ہے بس ٹھیک ہے۔‘‘ اُس نے بے زاری سے کہا۔ نظر اُٹھا کر بھی زیورات کی طرف نہ دیکھا۔

’’دیکھ لو کل کو تم ہی کہو گی کہ فلاں چیز اچھی نہیں تھی تو فلاں......‘‘

’’میری بھولی ماں‘ جب جیون ساتھی من پسند نہیں تو یہ بے جان اشیاء کیا چیز ہیں۔‘‘ وہ کہنا چاہتی تھی مگر نہ کہہ سکی۔ ’’ماں جی۔ میں نے پہلے بھی گلہ کیا ہے؟‘‘ لہجے میں عجب سی تڑپ اور حزن تھا۔

’’میں جانتی ہوں‘ میری بیٹی بڑی صابر ہے۔‘‘ وہ ماں تھیں۔ بیٹی کے لہجے میں چھپا دُکھ کیسے نہ جان پاتیں۔ مگر وہ بھی اُس کی طرح بے بس تھیں۔ اسی لمحے ہادیہ شاہ اندر داخل ہوئی۔

’’ماں جی! چند خواتین آئی ہیں آپ سے ملنے۔‘‘

’’اے ہاں۔ میں تو بھول ہی گئی تھی۔ ہادیہ بیٹا! یہ زیورات تم سنبھال کر لاکر میں رکھ دو۔‘‘ ماں جی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

’’تو رانی! اُداس ہو؟‘‘ ہادیہ نے دُعا کی ٹھوڑی پیار سے چھوتے ہوئے کہا تو وہ محض پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

’’ظاہر ہے بھابی۔‘‘ ایک سرد آہ لبوں سے خارج ہوئی۔

’’اَدا سکندر تمہیں بہت چاہتا ہے۔ اُس روز میں گئی تھی تو تمام وقت تمہاری ہی باتیں کرتا رہا۔‘‘ ہادیہ بھابی تو تعریف ہی کرتی تھی آخر وہ اُن کا بھائی تھا۔ ’’بھابی! اَدا سائیں مری چلے گئے؟‘‘ اُس نے جان بوجھ کر موضوع بدلا۔

’’ہاں۔ آج صبح ہی گئے ہیں۔ کل شام تک واپسی ہو گی۔‘‘ ہادیہ زیورات کے ڈبے سمیٹنے لگی۔ دُعا اُٹھ کر باہر آ گئی۔ سامنے ہی ضمائر شاہ چلا آ رہا تھا۔

’’اَدا! آپ کب آئے شہر سے؟‘‘

’’ابھی ابھی۔ ماں جی کہاں ہیں؟‘‘ وہ مختصر جواب دے کر ماں کے بارے میں دریافت کرنے لگا۔ پیچھے سے مریم آ گئی۔

"اُوا! حوریہ کو میرا خط دے دیا تھا؟" وہ کیا جواب دیتا کیا کہتا کہ اُس نے دو لمحے رُک کر اُس کی بات سننا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ اُسے نئے سرے سے حوریہ پر غصہ آنے لگا تھا۔

"دُعا پلیز! ایک کپ چائے بنوا دو۔" وہ سنی اَن سنی کرتا دُعا سے مخاطب ہوا۔

"اُوا! آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔" مریم نے یاد دلایا۔

"ہاں...... نہیں وہ وہاں جانے کا ٹائم ہی نہیں ملا۔ کام میں مصروف ہو گیا تھا۔" وہ آگے بڑھ گیا اس سے پہلے کہ مریم کوئی اور سوال کرے۔ مریم جھلا گئی۔ فون پچھلے دو دنوں سے خراب تھا اُسے شہر سے چند ضروری چیزیں منگوانا تھیں۔ ضمائر شہر جا رہا تھا تو اُس نے خط اُسے تھما دیا تھا کہ حوریہ تک پہنچا دے۔

"کیا ہوا ایسی کیوں کھڑی ہو؟" ہادیہ وہاں سے گزری تو اُسے خود سے اُلجھتے دیکھ کر دریافت کیا۔

"حوریہ کو فون کرنا ہے۔ یہ فون پتا نہیں کب ٹھیک ہوگا۔"

"بابا سائیں نے آج صبح کہا تھا میرل سے وہ کہہ رہا تھا شام تک ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہیں کوئی ضروری بات کرنی ہے تو اُوا ضمائر کے موبائل سے کر لو۔"

"ارے یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔" وہ مسکراتی ہوئی ضمائر شاہ کے کمرے کی طرف دوڑ گئی۔

♥♥♥

"اوہ ضمائر شاہ۔ تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئے ہو؟" اُس نے ضمائر شاہ کے موبائل کا نمبر دیکھتے ہوئے کوئی تیسری بار لائن ڈس کنیکٹ کی تھی۔

"سن لو کیا پتا کوئی ضروری بات ہو۔" سعدیہ نے کہا۔

"ہونہہ۔ جانتی ہوں میں اُس کی ضروری باتوں کو۔" اُس نے نخوت سے سر جھٹکا۔ موبائل کی بیپ ایک بار پھر ہو رہی تھی۔

"بہت ڈھیٹ بندہ ہے۔"

"ڈھیٹ نہیں مستقل مزاج کہو۔" سعدیہ مسکرائی۔ حوریہ نے اُسے گھورتے ہوئے ٹاک پش کیا۔ "ہیلو۔" لہجے میں زمانے بھر کی بیزاری تھی۔

"حوریہ! کیسی ہو؟" دوسری طرف مریم تھی۔

"ارے مریم تم؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"یہ تم بار بار لائن کیوں ڈس کنیکٹ کر دیتی تھیں؟"

"میں بھی کہ......"

"اُوا ہوں گے۔" مریم نے اُس کی بات اُچک لی۔ "یہ تم اتنی شرمیلی کب سے ہو گئیں حوریہ شاہ۔" مریم نے چھیڑا۔

"مجھے چھوڑو تم اپنی سناؤ۔ تیاریاں تو خوب ہو رہی ہوں گی۔" وہ بشاشت سے مسکراتی اُسے چھیڑ رہی تھی۔

"بس اب تم چھٹی لے کر آ جاؤ۔"

"ارے ابھی سے۔ ابھی تو پورے دو ماہ پڑے ہیں شادی میں۔"

"ہاں بھئی میں تو بھول ہی گئی تھی کہ حوریہ شاہ کا شمار اس ملک کی مصروف ترین ہستیوں میں ہوتا ہے اور پورے ملک کا نظام آپ ہی کے ناتواں کندھوں پر تو چل رہا ہے۔"

"سب پتا ہے تو پھر پوچھتی کیوں ہو؟" وہ شرارت سے مسکرائی۔

"تم بھی بس...... اچھا میں نے فون اس لیے کیا تھا کہ کچھ چیزیں منگوانی ہیں۔" وہ اب اُسے چیزوں کی تفصیل بتا رہی تھی۔

"سعدیہ! میرے ساتھ بازار چلو گی؟" فون بند کرنے کے بعد اُس نے پوچھا۔

"اوں...... چلو ٹھیک ہے۔ مجھے بھی کچھ کتابیں خریدنی ہیں۔" وہ تیار ہو گئی۔ مریم کی مطلوبہ اشیاء خریدنے کے بعد وہ اپنے لیے پرفیوم اور لپ اسٹکس وغیرہ کے لیے سپر اسٹور کی طرف بڑھ گئی۔

"سعدیہ یہ دیکھو یہ کیسا ہے...... اوہ؟" وہ پلٹی تو کسی سے بڑے زور سے ٹکرائی تھی۔ ہاتھ میں پکڑی پرفیوم کی بوتل نیچے گر کر چھناکے سے ٹوٹ گئی تھی۔ اُس نے کوئی سخت بات کہنے کے لیے سر اُٹھایا تو ایک لمحے کو خاموش رہ گئی۔ سامنے ہی شمیل خان خجل سا کھڑا تھا۔

"آئی ایم سوری غلطی میری ہی تھی۔ مجھے ایک دم یوں پیچھے نہیں آنا چاہیے تھا۔"

"اِٹس اوکے۔" اُسے وہ چہرہ جانا پہچانا سا لگا۔

"اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ مس حوریہ ہیں؟" شمیل کو ایک دم یاد آیا تھا۔



حوریہ حیران تھی کہ سرسری سی ملاقات کے بعد بھی وہ اُس کا نام یاد رکھے ہوئے تھا۔ وہ بہرحال اُس کا نام بھول چکی تھی۔

"مجھے شمیل خان کہتے ہیں۔" وہ شاید اُس کی کیفیت بھانپ گیا تھا جبھی تعارف کروانے لگا۔

"حوریہ! چلیں یا ابھی کچھ اور لینا باقی ہے۔" سعدیہ نے اُکتا کر کہا۔ وہ ویسے بھی بازار آنے سے کتراتی تھی۔

"بس چلتے ہیں میں پے منٹ کر دوں۔"

"آں آں یہ پرفیوم میری غلطی کی وجہ سے ٹوٹا ہے اس لیے اس کی پے منٹ میں کروں گا۔"

"پلیز شمیل صاحب! مجھے یہ اچھا نہیں لگے گا۔"

"اور مجھے بُرا نہیں لگے گا۔" وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

"مگر میں وہی کرتی ہوں جو مجھے اچھا لگتا ہے۔" وہ ایک ادائے بے نیازی سے کہتی کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔ حسن اگر مغرور ہو تو اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتا ہے۔ شمیل خان کے لبوں پر بڑی گہری مسکراہٹ تھی۔

♥♥♥

"ایکسکیوز می میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں۔" وہ ایک اسمارٹ سی خوش شکل لڑکی تھی۔ حوریہ اور سعدیہ نے ایک ساتھ اُس کی طرف دیکھا تھا۔ لیکچر اٹینڈ کر کے اس وقت وہ کینٹین میں موجود تھیں۔

"اوہ شیور۔" حوریہ کے کہنے پر وہ لڑکی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ "مجھے زوبی کہتے ہیں میں نیو کمر ہوں۔" وہ اپنا تعارف کروا رہی تھی۔

"فرسٹ سمسٹر ہے؟" سعدیہ نے دریافت کیا۔

"نہیں فورتھ سمسٹر ہے۔ میں اسلام آباد سے مائیگریٹ کر کے آئی ہوں۔"

"یعنی ہماری کلاس فیلو ہو۔" حوریہ نے سر ہلایا۔

"اوہ اس کا مطلب ہے میں صحیح جگہ آئی ہوں۔ اگر آپ لوگوں کو زحمت نہ ہو تو...... میرا مطلب ہے میں کالج میں نئی ہوں اور مجھے کچھ بھی معلوم نہیں ہے آپ پلیز میری ہیلپ کر دیں۔"

"ضرور، ہر وقت۔" حوریہ مسکرائی۔

زوبی چند ہی دنوں میں ان کے ساتھ گھل مل گئی تھی۔ ہاسٹل میں اُس کا کمرا بھی حوریہ اور سعدیہ کے ساتھ ہی تھا۔ حوریہ کے ساتھ اُس کی خاصی فرینڈ شپ ہو چکی تھی۔ البتہ سعدیہ ریزرو رہتی تھی۔ وہ شاپنگ کی بھی دلدادہ تھی۔ حوریہ کو بھی اب مارکیٹ جانے کے لیے سعدیہ کی منتیں نہیں کرنا پڑتی تھیں۔ زوبی ہر وقت اُس کے ساتھ ہوتی تھی۔ سعدیہ کو زوبی کچھ خاص اچھی نہ لگی تھی اور اس نے اپنی اس ناپسندیدگی کا اظہار حوریہ کے سامنے بھی کر ڈالا۔

"رہنے دو سعدی۔ اتنی اچھی لڑکی تو ہے وہ۔" حوریہ نے جواب میں زوبی کی حمایت کی۔

"حوریہ آپس کی بات ہے۔ مجھے اُس کے طور طریقے اچھی لڑکیوں والے لگتے نہیں۔" صرف رات کا وقت ایسا ہوتا تھا جب وہ دونوں تنہا ہوتی تھیں ورنہ تو زوبی سارا دن انہیں چپکی رہتی تھی۔

"ذرا تشریح کرو گی اچھی لڑکیوں کی؟"

"بھئی تم اُس کا لباس دیکھو اُس کے انداز دیکھو اُس کی گفتگو کس قدر بے باک ہوتی ہے توبہ توبہ۔" سعدیہ نے کانوں کو ہاتھ لگائے۔

"جینز ٹی شرٹ وغیرہ تو بہت عام ہو چکا ہے۔ پھر وہ جس کلاس سے تعلق رکھتی ہے وہاں تو یہ ایک عام سی بات ہے۔ رہا اُس کی گفتگو کا سوال تو بھئی وہ کوئی ایسی غلط بات تو نہیں کرتی۔ لڑکیاں آپس میں اس قسم کے ٹاپکس پر بات کرتی رہتی ہیں۔" حوریہ نے اُس کی بھرپور حمایت کی جو سعدیہ کو بالکل اچھی نہیں لگی تھی۔

"حوریہ شاہ! اگر ہائی کلاس سے تعلق کی بات ہے تو وہ تو تم بھی خاصے اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو مگر تم تو ایسی نہیں ہو۔"

"اُس کے اور میرے ماحول میں خاصا فرق ہے۔ میرا تعلق روایتی فیوڈل فیملی سے ہے جبکہ وہ ایک بیوروکریٹ کی بیٹی ہے۔ میری ماں ایک روایتی ہاؤس وائف اور جاگیردارنی ٹائپ کی خاتون ہیں جبکہ اُس کی ماں ایک سوشل ورکر ہے اور کسی این جی او وغیرہ سے بھی تعلق ہے۔ اُس کی اور میری پرورش بالکل مختلف انداز اور مختلف ماحول میں ہوئی ہے۔"

"تم کچھ بھی کہو اُس کی باتوں سے بناوٹ کی بو آتی ہے۔ اُس کا اسٹینڈرڈ تو یہ ہے کہ......"

''سعدیہ پلیز! تم خواہ مخواہ بحث میں اُلجھ رہی ہو۔ بہت نیند آرہی ہے' کل بات کریں گے۔'' اس نے لیمپ آف کر کے کروٹ بدل لی۔

اُس نے حویلی فون کیا تھا کہ مریم اور دُعا سے عروسی ملبوسات کے کلرز وغیرہ کا پوچھ سکے۔ مسز شیرازی ''شایان ملک'' سے ٹائم لے چکی تھیں۔ یہ محض اتفاق تھا کہ فون ضمائر شاہ نے اُٹھایا تھا۔

''میں حوریہ بول رہی ہوں۔''

''زہے نصیب۔'' اُس کی آواز سن کر حوریہ کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔

''مریم کو بلا دیں۔''

''پہلے مریم کے بھائی سے تو بات کر لو۔''

''مجھے مریم سے بات کرنی ہے۔'' وہ چبا چبا کر بولی۔

''یہاں آجاؤ' ایک ہی بار جی بھر کر باتیں کر لینا۔'' وہ جانتا تھا دوسری طرف حوریہ تپ گئی ہوگی۔

''صرف چند دنوں کی بات ہے۔ مریم ہمارے گھر ہی آجائے گی۔ مجھے اُس سے بات کرنے کے لیے کم از کم آپ کے گھر نہیں آنا پڑے گا۔'' وہ چیخ کر گویا ہوئی۔ ضمائر شاہ کا چہرہ یکلخت سنجیدہ ہو گیا مگر لہجہ نارمل رکھا۔

''وہ اپنے چچا غالب کیا کہہ گئے ہیں کہ ''دل کے بہلانے کو یہ خیال اچھا ہے'' کچھ اسی قسم کی بات ہے ناں؟'' حوریہ نے فون پٹخ دیا ضمائر شاہ لبوں پر ایک ناقابل فہم سا تبسم سجائے ریسیور کو گھور کر رہ گیا۔

زوبی چند روز کے لیے اپنے گھر گئی ہوئی تھی۔ مسز شیرازی نے چونکہ ملاقات کا وقت طے کر رکھا تھا اس لیے جانا لازمی تھا۔

''ہیلو حوریہ' کیسی ہو؟'' مسز شیرازی اُسے دیکھتے ہی اس کی طرف بڑھی تھیں۔

''فائن۔'' وہ ذرا سا مسکرائی۔

''حوریہ! تم میرے آفس میں چل کر بیٹھو میں ابھی آتی ہوں۔'' مسز شیرازی کے کہنے پر وہ سر ہلا کر ان کے آفس میں چلی آئی۔ ایک لمحے کو اُس کے قدم رُکے۔ وہاں شمیل خان بھی موجود تھا جو اُسے دیکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''ہیلو۔'' شمیل کے کہنے پر وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھی۔

''ہیلو۔ کیسے ہیں آپ؟'' دو ملاقاتوں کے بعد وہ بہر حال اُسے اجنبی نہیں کہہ سکتی تھی۔ اس لیے رسماً پوچھنے لگی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں' آپ سنائیں۔''

''میں ویسی ہی ہوں جیسی نظر آرہی ہوں۔''

''یعنی خوب صورت۔'' شمیل کے برجستہ کہنے پر وہ بے اختیار مسکرائی۔

''ویسے مجھے اپنی تعریف کروانا پسند نہیں ہے۔''

''حیرت انگیز' لڑکیاں تو اس معاملے میں......''

''سب کو ایک ہی پیمانے سے نہیں جانچنا چاہیے۔'' وہ مسکرائی۔

''آپ پڑھتی ہیں؟''

''جی ہاں۔ کمپیوٹر سائنس میں ماسٹرز کر رہی ہوں۔''

''ویسے آپ مجھے یہاں کی لگتی نہیں ہیں۔''

''آپ قیافہ شناسی اچھی کر لیتے ہیں۔''

''قیافہ شناس نہیں' انسان شناس ہونے کا دعویٰ ضرور کرتا ہوں۔''

''دعویٰ! سوچ لیجیے' یہ بہت بڑی بات ہے۔ آپ دعویٰ کرنے کا دعویٰ کر رہے ہیں۔''

''مس حوریہ! دعویٰ ہمیشہ وہی شخص کرتا ہے جسے خود پر مکمل اعتماد ہو۔'' اُس کی آنکھوں میں جھانکتا وہ بڑے اعتماد سے گفتگو کر رہا تھا۔ اسی لمحے مسز شیرازی اندر داخل ہوئیں۔

''سوری حوریہ۔ تمہیں انتظار کرنا پڑا۔ ارے شمیل صاحب! آپ' میرا مطلب ہے آپ تو جا چکے تھے۔'' اُن کی نظر شمیل پر پڑی۔

''جی ہاں' تھوڑی دور جا کر مجھے یاد آیا کہ کانٹریکٹ کی فائلز تو میں یہیں بھول گیا ہوں۔ بس وہی لینے آیا تھا' چلتا ہوں۔'' وہ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اُس کے جانے کے بعد حوریہ بھی مسز شیرازی کے ہمراہ نکل گئی۔ مریم اور دُعا کے ڈریسز کا کلر خود ہی چوز کر لیا۔ مریم کے لیے شاکنگ پنک اور پرپل اور دُعا کے لیے ڈیپ ریڈ۔

''سنو۔ یہ سرخ رنگ تم پر بہت سوٹ کرتا ہے۔'' یہ ایک عام سی بات تھی مگر کہنے والے کا انداز چیخ چیخ کر اُس کے گھٹیا ہونے کا اعلان کر رہا تھا۔



''اُدا سکندر! اپنی حد میں رہیں۔''

''میں چاہتا ہوں تمہیں اسی سرخ رنگ کے عروسی لباس میں اپنے نام کی سیج پر بیٹھا دیکھوں۔''

''میں تم جیسے گھٹیا شخص پر تھوکتی ہوں۔'' وہ یہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔ سکندر شاہ سرخ سرخ آنکھوں سے اُسے گھور کر رہ گیا۔

''اے۔ کن سوچوں میں گم ہو؟'' سعدیہ نے اُس کی آنکھوں کے سامنے ہاتھ لہرایا تو وہ چونکی۔ ''سمجھی۔ یقیناً ضمائر شاہ خیالوں میں وارد ہوں گے۔''

''فضول مت بولا کرو۔'' حوریہ نے منہ بنایا۔

''پھر کیا سوچا جا رہا تھا؟''

''سعدیہ! مجھے دُعا پر بہت ترس آتا ہے۔ وہ شخص بالکل بھی اُس جیسی نفیس لڑکی کے قابل نہیں ہے۔''

''تمہارے ترس کھانے سے کیا یہ شادی رُک جائے گی۔''

''سعدیہ! میری سمجھ میں نہیں آتا یہ ہمارے بڑے' ہماری زندگیوں کے اتنے اہم فیصلے ہم سے پوچھے بنا کیسے کر لیتے ہیں۔ ہم بھی انسان ہیں' احساسات و جذبات سے عاری سمجھ رکھا ہے نہیں۔ انہیں اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔ ہماری پسند اور ترجیحات کیا ہیں۔ انہیں صرف اور صرف خاندان جائیداد کی فکر ہے۔ دُعا بہت اچھی لڑکی ہے' مریم سے بھی زیادہ اچھی۔ مگر وہ سکندر...... وہ کسی طرح بھی دُعا کے لائق نہیں ہے۔ اس کی کمینی فطرت سے سب واقف ہیں مگر جانتے بوجھتے دُعا کی زندگی جہنم بنا رہے ہیں۔''

''دُعا کیا کہتی ہے؟''

''یہی تو مسئلہ ہے کہ وہ کچھ نہیں کہتی۔ وہ سمجھتی ہے کہ شاید اس کی خاموشی میں چھپا احتجاج سب کو نظر آجائے گا مگر وہ یہ نہیں جانتی کہ خاموشی کو اقرار کا رنگ دیا جاتا ہے۔ وہ پتا نہیں اتنی بزدل کیوں ہو گئی ہے؟''

''شاید شادی کے بعد سکندر شاہ ٹھیک ہو جائے۔''

''شاید شاید وہ سب بھی امکانات پر نظر رکھے ہوئے ہیں۔ یہ کوئی گارنٹی نہیں ہے کہ شادی کے بعد وہ اچھا انسان بن جائے گا۔ یہ ایک لفظ ''شاید'' کسی کی زندگی کی خوشیوں کی ضمانت نہیں بن سکتا۔''

''تم اُس کے لیے کیوں نہیں کچھ کرتیں؟''

''وہ میرا ساتھ دے تب ناں' کچھ تو کہے۔ وہ کچھ کہتی ہی نہیں۔ پھر میں کس جواز پر اُس کا مقدمہ لڑوں۔ جب مدعی کے اندر جرأت ہی نہیں مقدمہ لڑنے کی تو گواہ کیا کرے؟''

''اور ضمائر شاہ...... کیا وہ بھی بہن کے لیے کچھ نہیں کر سکتا؟''

''ہونہہ۔ وہ تو خود اُنہی لوگوں میں سے ہے۔ وہ بھلا کیا کرے گا۔'' حوریہ نے استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا۔

♥♥♥

کھلے پانیوں میں گھری لڑکیاں
نرم لہروں کے چھینٹے اُڑاتی ہوئی
بات بے بات ہنستی ہوئی
اپنے خوابوں کے شہزادوں کا تذکرہ کر رہی تھیں
جو خاموش تھیں
اُن کی آنکھوں میں بھی مسکراہٹ کی تحریر تھی
ہماری ہنسی اور موجوں کے آہنگ سے بے خبر
دُور ساحل پر بیٹھی ہوئی ایک ننھی سی بچی
ریت سے ایک گھروندہ بنانے میں مصروف تھی
اور میں سوچتی تھی
یا خدایا! یہ ہم لڑکیاں
کچی عمروں سے ہی خواب کیوں دیکھنا چاہتی ہیں

''دُعا!'' ضمائر کی آواز پر دُعا نے ڈائری بند کر دی۔

''جج...... جی اُدا!'' اُس نے جلدی جلدی دوپٹے کے پلو سے آنکھیں پونچھیں۔

''تم تیار ہو جاؤ۔ کچھ دیر میں ہمیں شہر کے لیے نکلنا ہے۔''

''کیوں؟''

''ماں جی کہہ رہی تھیں کچھ خریداری وغیرہ کرنی ہے۔''

''میرا جانا ضروری ہے کیا؟'' ہمیشہ کی طرح اُس کی آواز دھیمی تھی۔ ضمائر شاہ بخوبی جانتا تھا اُس کے دل کی کیفیت مگر اُس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں تھا۔ حوریہ شاہ کہتی تھی کہ اس خاندان کے سبھی مرد جابر اور مطلق العنان ٹائپ کے ہیں بظاہر ایسا ہی تھا مگر مختار کل صرف حیات شاہ تھے۔ باقی سب تو محض اُن کے اشاروں پر چلتے تھے۔ کسی کو اُن کے سامنے بولنے کی جرأت نہ تھی۔ دو تین بار ضمائر نے دبے لفظوں میں دُعا کی

وکالت کرنی چاہی تھی مگر بڑے شاہ نے وہیں ٹوک دیا۔

''بس ضمائر شاہ۔ اس سے آگے ایک لفظ بھی نہ کہنا۔ تم میرے پوتے ہو تو سکندر شاہ میرا نواسہ۔ میری نظر میں تم میں اور اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔''

''مگر دادا سائیں......''

''تمہیں اپنی بہن سے اتنی ہی محبت ہے تو ٹھیک ہے ہم یہ رشتہ ابھی ختم کیے دیتے ہیں مگر سکندر کا رشتہ اسی خاندان میں ہی ہوگا۔''

''مطلب؟''

''ہم سکندر شاہ کا رشتہ حوریہ سے طے کردیں گے۔ ہم نے مہروز شاہ (سکندر کے والد) کو زبان دی ہے۔ اس کا بیٹا ہمارے ہی خاندان کا داماد بنے گا۔'' بڑے شاہ کی بات پر وہ تڑپ کر رہ گیا۔ وہ جز بز ہوتا وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ حیات شاہ کے لبوں پر بڑی شاطرانہ سی مسکراہٹ تھی۔ انہوں نے تاک کر نشانہ لگایا تھا جو بالکل ٹھیک جگہ لگا تھا۔ وہ جانتے تھے ضمائر شاہ کبھی بھی حوریہ سے دستبردار نہیں ہوسکتا۔

''دعا! بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں جن پر کسی کا اختیار نہیں ہوتا۔ بسا اوقات ہمیں بہت سے کام اپنا دل مار کر محض دوسروں کی خوشی کی خاطر کرنے پڑتے ہیں۔ تقدیر اسی طرح ہمارا امتحان لیتی ہے۔ اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اس امتحان میں کہاں تک پورے اترتے ہیں۔'' وہ یہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ دعا کو اپنے اس بھائی پر ٹوٹ کر پیار آیا تھا۔ چلو کوئی تو ایسا ہے جو اس کا دکھ سمجھتا ہے۔ اس کی خاطر پریشان ہوتا ہے۔ وہ آنسو پونچھ کر کپڑے چینج کرنے چل دی۔

ماں جی دعا اور مریم کے ہمراہ وہ شہر آیا۔

''اوا! حوریہ کو ساتھ لے چلتے ہیں شاپنگ پر۔'' شہر کی حدود میں داخل ہوتے ہی مریم نے کہا۔

''کیوں؟'' اس کی آواز میں سنجیدگی تھی۔

''اس کی چوائس بہت اچھی ہے ناں۔''

''ہاں اوا! مریم ٹھیک کہہ رہی ہے۔ اس کی چوائس تو واقعی غضب کی ہے۔'' دعا نے بھی مریم کی ہاں میں ہاں ملائی۔

''وہ اس وقت یونی ورسٹی میں ہوگی۔'' ضمائر نے پہلو بدلا۔

''اوا! آج ویک اینڈ ہے۔ وہ یونی ورسٹی سے آچکی ہوگی۔''

''مگر وہ تھکی ہوئی ہوگی۔'' وہ نہیں چاہتا تھا کہ حوریہ ان کے ساتھ جائے۔ نہ جانے وہ ماں جی اور بہنوں کے سامنے کیا کہہ دے۔

''اوہو بڑا احساس ہو رہا ہے اس کی تھکن کا۔'' مریم چہکی۔ ضمائر جھینپ سا گیا۔ ماں جی نے مریم کو گھورا وہ زبان دانتوں تلے دبا گئی۔ ماں جی کے سامنے بھائی کو حوریہ کے حوالے سے پہلے کبھی نہیں چھیڑا تھا۔

''ٹھیک کہہ رہا ہے ضمائر وہ آرام کر رہی ہوگی۔ کہاں ہمارے ساتھ بازاروں کی خاک چھانتی پھرے گی۔''

''مگر ماں جی آپ ہی نے تو کہا تھا کہ شادی میں پہننے کے لیے حوریہ کے کپڑے لینے ہیں۔ وہ ساتھ میں ہوگی تو سہولت رہے گی۔ اپنی چوائس سے سب لے لے گی۔'' مریم کے کہنے پر ماں جی بھی قائل ہوگئیں۔ اور پھر وہ مریم کے ساتھ حوریہ کے پاس پہنچ گئیں۔

''ارے امی کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہی۔'' ماں جی مریم اور دعا کو اپنے سامنے دیکھ کر وہ بے تحاشا خوش ہوئی تھی۔

''بس جی' صرف منہ دکھاوے کی محبت ہے تمہاری۔ اتنے دن ہوگئے ایک فون تک تو ہو نہ سکا تم سے۔'' مریم نے شکوہ کیا۔

''تم خود ہی تو کہتی ہو کہ میں وزیراعظم سے زیادہ مصروف ہستی ہوں۔'' وہ کھلکھلائی تو جلترنگ سے بج اٹھے۔

''اچھا بھئی یہ گلے شکوے بعد میں کرلینا۔ حوریہ! تم تیار ہوجاؤ' بازار چلنا ہے۔'' ماں جی نے کہا۔

''بس ایک منٹ میں آئی۔'' وہ چلی گئی۔ کچھ دیر بعد واپس آئی تو ہینڈ بیگ ساتھ تھا۔ ان تینوں کی ہمراہی میں وہ باہر تک آئی۔ ضمائر شاہ کو ڈرائیونگ سیٹ پر دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی۔ وہ سمجھی تھی ڈرائیور ہوگا۔

''السلام علیکم!'' وہ بڑی مشکل سے لہجے کی ناگواری چھپا پائی تھی۔

''وعلیکم السلام۔'' سنجیدگی سے جواب دے کر وہ گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا تھا۔ آنکھوں پر سیاہ گاگلز تھے مگر پھر بھی حوریہ کو اس کی نگاہیں چبھتی ہوئی محسوس ہورہی تھیں۔ گاہے بگاہے وہ بیک ویو مرر میں سے اس پر نظر ڈال لیتا تھا۔ وہ دعا



اور مریم کے ساتھ مسلسل خوش گپیوں میں مصروف تھی۔

پوری شاپنگ کے دوران وہ لاتعلق سا بنا رہا۔ حوریہ جانتی تھی اتنی شرافت ماں' بہنوں کی موجودگی کی وجہ سے تھی۔ ماں جی اور دعا کراکری شاپ پر تھیں۔ حوریہ اور مریم ساتھ ہی جیولری شاپ میں چلی آئیں۔

''مریم! یہ دیکھو کیسی لگ رہی ہے؟'' حوریہ نے سات ہیروں سے سجی نازک سی رنگ اپنی انگلی میں ڈال کر ہاتھ اس کے سامنے کیا۔

''تمہاری انگلی میں ہے اس لیے بہت خوب صورت لگ رہی ہے۔'' وہ نہایت بے تکلفی سے اس کا ہاتھ تھام کر انگوٹھی کو مختلف زاویوں سے جانچنے لگا۔ حوریہ نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ کھینچا تھا۔ اس کے مضبوط ہاتھ کا لمس انگارہ بن کر لگا تھا۔ مریم جانے کب وہاں سے گئی تھی اور اس کی جگہ وہ آن کھڑا ہوا تھا۔

''آپ حد سے بڑھ رہے ہیں ضمائر شاہ۔'' اس کا انداز تنبیہی تھا۔

''تم شاید بھول رہی ہو جہاں تمہارے گریز کی حد ختم ہوتی ہے وہاں سے میرے اختیار کی حد شروع ہوتی ہے۔''

''خوش فہمیوں کی دنیا سے نکل آیئے ضمائر شاہ۔''

''یہی تو میں تم سے کہہ رہا ہوں۔'' وہ زیرلب مسکرایا۔

''اچھا۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ ''یہ تو وقت ہی بتائے گا خوش فہمی میں کون مبتلا ہے۔''

''اور وہ وقت دور نہیں حوریہ شاہ۔'' اس کا لہجہ ٹھوس اور بااعتماد تھا۔

''ہونہہ۔'' اس نے نخوت سے سر جھٹکا اور وہ رنگ اتار دی۔

''یہ پیک کردو۔'' ضمائر شاہ نے سیلز مین سے کہا اور ایک نظر گلاس وال کے پار ڈالی جہاں حوریہ شاہ تمتماتے چہرے کے ساتھ مریم کے پاس جا کھڑی ہوئی تھی۔ بایاں ہاتھ جیسے ابھی تک جل رہا تھا۔

♥♥♥

''ہیلو مس حوریہ! آپ اور یہاں؟'' مانوس آواز پر وہ چونکی۔ لبوں پر خودبخود دھیما سا تبسم پھیل گیا۔

''یہ سوال تو مجھے بھی کرنا چاہیے۔''

''حسین اتفاق۔'' شمیل خان نے مشروب کا گلاس دائیں سے بائیں ہاتھ میں منتقل کیا۔ ''اس کا جواب تو یہی ہوسکتا ہے' آج کل ویسے بھی یہ حسین اتفاقات زیادہ ہونے لگے ہیں۔''

''آپ ان اتفاقات کو حسین کیوں سمجھتے ہیں؟'' وہ نچلے لب کا گوشہ دانتوں میں دباتے ہوئے مسکرائی۔

''یہ آپ آئینے سے پوچھیں۔ وہ مجھ سے بہتر بتا سکتا ہے۔'' اس کی بات پر وہ بے ساختہ کھلکھلائی۔ دائیں گال میں پڑنے والا ڈمپل کچھ اور گہرا ہوگیا۔

''میں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ مجھے تعریف کروانا پسند نہیں ہے۔''

''مگر مجھے تعریف کرنا پسند ہے۔'' وہ ترکی بہ ترکی بولا۔

''ہاں مگر سب کی نہیں۔'' اس کی بات معنی خیز تھی۔ ''صالحہ آنٹی سے کوئی رشتہ داری ہے آپ کی؟'' وہ بات بدل گیا۔

''نہیں' میری فرینڈ کی آنٹی ہیں۔'' اور سچ تو یہ ہے کہ وہ کبھی بھی اس پارٹی پر نہ آتی اگر زوبی کا اتنا اصرار نہ ہوتا۔ اس نے تو سعدیہ سے بھی کہا تھا مگر وہ منع کرگئی۔ زوبی کا پرزور اصرار پھر اس کی صالحہ آنٹی نے خود فون کیا تھا۔

''بھئی زوبی کہہ رہی تھی میری فرینڈ بڑی انا پرست اور خوددار ہے۔ صرف میرے بلانے سے نہیں آئے گی۔'' صالحہ آنٹی کی بات پر وہ شرمندہ ہوگئی۔

''نہیں آنٹی ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔''

''میں نے زوبی سے کہہ رکھا ہے وہ جب چاہے' جسے چاہے پارٹی وغیرہ پر انوائیٹ کرسکتی ہے۔ اب آرہی ہو ناں پارٹی پر؟''

''جی۔ میں ضرور آؤں گی۔''

اور اب وہ یہاں موجود تھی۔ مکس گیدرنگ تھی شہر کی کریم یہاں موجود تھی۔ زوبی اُسے چھوڑ کر خود جانے کہاں چلی گئی تھی' جبھی شمیل خان وہاں آن پہنچا تھا۔ شمیل خان کے ساتھ وہ خاصی دیر بیٹھی رہی تھی مگر جانے کیوں عجیب سی گھٹن کا احساس ہونے لگا تھا۔ وہ چہروں پر مصنوعی مسکراہٹ سجائے ہوئے لوگوں کو دیکھ دیکھ کر اکتانے لگی تھی۔ فیشن کے نام پر عریانی زوروں پر تھی۔ ماحول خاصا بے باک تھا۔

''کافی ٹائم ہوگیا ہے۔ مجھے اب چلنا چاہیے۔'' گھڑی

پونے گیارہ بجا رہی تھی۔

"ابھی سے، میرا مطلب ہے یہ پارٹی تو رات گئے تک جاری رہے گی۔ نائٹ غزل کا اہتمام ہے۔"

"مگر مجھے چلنا چاہئے۔" اُس نے زوبی کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑائیں، تبھی وہ سامنے سے آتی ہوئی دکھائی دی۔

"کہاں رہ گئی تھیں، کیسی میزبان ہو تم؟" اس نے شکوہ کیا۔

"آنٹی نے بلایا تھا مگر تم بور تو نہیں ہوئی ناں۔ مجھ سے خاصی بہتر کمپنی مل گئی تھی تمہیں۔" زوبی نے ایک مسکراتی نظر شمیل پر ڈالی۔

"اب میں چلوں گی، بہت دیر ہوگئی ہے۔"

"اس وقت تم ہاسٹل جاؤ گی، رہنے دو۔ آج رات یہیں رہ جاؤ۔" زوبی نے کہا تو وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔ "نہیں بھئی! مجھے تو ہر صورت ہاسٹل جانا ہے۔"

"اتنی رات گئے اکیلی جاؤ گی شمیل! تم حوریہ کو ڈراپ کردو گے؟"

"بسر و چشم۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔

"میرا خیال ہے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ گاڑی ہے میرے پاس۔" وہ متذبذب ہوئی۔

"اتنی رات گئے تنہا مت جاؤ۔ شہر کے حالات کا کوئی بھروسہ نہیں۔" زوبی کے کہنے پر اُسے ماننے ہی بنی۔ "میں تمہاری گاڑی صبح بھجوا دوں گی۔" زوبی سے مل کر وہ شمیل خان کی گاڑی میں آ بیٹھی۔ گاڑی میں کچھ دیر خاموشی رہی۔ حوریہ نے ایک نظر شمیل پر ڈالی وہ خاصی سنجیدگی سے ڈرائیو کر رہا تھا۔

"شاعری کی زبان سمجھتی ہیں آپ؟" شمیل کی آواز نے جامد خاموشی کو توڑا۔

"کیا مطلب؟" وہ اُلجھ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"کہتے ہیں شاعری جذبات اور احساسات کی ترجمان ہوتی ہے۔"

"سنا تو میں نے بھی یہی ہے۔ اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔"

"ویری گڈ۔" اُس نے بڑھ کر کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔

دھیمے سروں میں گلوکار کی آواز گونجنے لگی۔

ہم گھوم چکے بستی بن میں
اک آس کی پھانس لیے من میں
کوئی ساجن ہو کوئی پیارا ہو
کوئی دیپک ہو کوئی تارا ہو
جب جیون رات اندھیری ہو
اک بار کہو تم میری ہو

شمیل نے ایک نظر حوریہ پر ڈالی۔ وہ سنجیدہ سی شکل بنائے بیٹھی تھی۔ ہاسٹل کا گیٹ سامنے ہی تھا۔ گاڑی رکی تو شمیل نے کیسٹ پلیئر بھی آف کر دیا۔

"آپ نے جواب نہیں دیا حوریہ؟" وہ اترنے لگی تو اس نے ٹوکا۔

"آپ نے کچھ جلد بازی سے کام نہیں لیا؟" وہ اپنا خیال ظاہر کرنے لگی۔

"میرا خیال ہے میں پہلے ہی کافی دیر کر چکا ہوں۔"

"چند ہی ملاقاتوں کے بعد آپ یہ فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں؟"

"فیصلہ تو کب کا ہو چکا اظہار کا موقع آج ملا ہے۔"

"کسی کو جانے بغیر، پرکھے بغیر اتنا بڑا فیصلہ نہیں کیا جاتا۔"

"مجھے آپ کو جتنا جاننا تھا جان لیا۔ ہاں آپ اپنی تسلی ضرور کر لیجئے۔ مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔" وہ مزید کچھ کہے بغیر اتر گئی۔ شمیل گاڑی موڑ چکا تھا۔

"تم ابھی تک جاگ رہی ہو؟" وہ بیڈ پر نیم دراز سعدیہ کو دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

"اتنی دیر کردی تم نے؟"

"ابھی تو پارٹی شروع ہوئی تھی۔" وہ دوپٹہ ایک طرف رکھ کر جیولری اتارنے لگی۔

"وارڈن نے اگر......"

"زوبی کی آنٹی وارڈن کی شناسا ہیں۔ اس لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ انہوں نے پہلے ہی اجازت لے لی تھی۔" اس نے سعدیہ کی بات کاٹی۔ وہ خاموش ہو رہی۔

"تم بہت بدل گئی ہو حوریہ۔" وہ کہنا چاہتی تھی مگر پھر جانے کیا سوچ کر خاموش رہی۔

"سعدیہ!" وہ کپڑے چینج کر کے آئی تو پلنگ پر بیٹھتے



ہوئے سعدیہ کو پکارا تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"اگر کوئی ایسا شخص جو ہر طرح سے آپ کے معیار پر پورا اُترتا ہو آپ کو پروپوز کرے تو کیا کرنا چاہئے؟" وہ کچھ کھوئی کھوئی سی تھی۔

"کیا مطلب؟" سعدیہ چونکی۔

"بھئی میں نے کوئی مشکل بات تو نہیں پوچھی۔" وہ تکیہ گود میں رکھ کر بیٹھ گئی۔

"بھئی اگر معیار پر پورا اترتا ہو تو فوراً ہاں میں جواب دے دینا چاہئے مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"یونہی۔" وہ کندھے اچکا کر ٹیبل لیمپ آف کرنے لگی۔ سعدیہ کچھ دیر اُسے دیکھتی رہی پھر کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

"فیصلہ تو کب کا ہو چکا......"

"مجھے آپ کو جتنا جاننا تھا جان لیا......"

"میں پہلے ہی کافی دیر کر چکا ہوں......" حوریہ کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔ اونچا لمبا، بہت شاندار تو نہیں مگر ہینڈسم سا وہ شخص، جس کے لبوں پر ہر وقت ایک دھیما سا تبسم رہتا ہے، اُس کا طلب گار تھا۔ ویل مینرڈ اور ڈریسنگ کتنی غضب کی کرتا ہے۔ وہ سوچ رہی تھی اور ضمائر شاہ نہ چاہتے ہوئے بھی اُس کا سراپا نظروں کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وجاہت، دولت، پرسنالٹی...... ان تمام چیزوں میں ضمائر شاہ کا پلڑا بھاری تھا مگر شمیل خان اس کا مہذب انداز گفتگو دھیما مگر مضبوط لہجہ، اُسے لگا شمیل خان کے سامنے ضمائر شاہ کچھ بھی نہیں۔

"اک بار کہو......" خود بخود گنگناہٹ لبوں پر آگئی۔ اس نے آنکھیں موند لیں۔

"حوریہ، حوریہ اٹھو، یونی ورسٹی نہیں جانا کیا؟" سعدیہ کے جھنجھوڑنے پر وہ اٹھی۔

"اُف! اتنی جلدی صبح ہوگئی۔ تم جاؤ میرا موڈ نہیں ہو رہا۔"

"موڈ کی بچی! سر ہاشمی کو پریکٹیکل کروانا ہے آج، اٹھ جاؤ اب۔"

"کیا مصیبت ہے۔" وہ منہ بناتی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ سارا دن کالج میں بور گزرا۔ زوبی بھی نہیں آئی تھی۔ حوریہ یونی ورسٹی سے آتے ہی سوگئی تھی۔ شام میں اُٹھی تو زوبی آگئی۔

"ہیلو۔ کیا ہو رہا ہے بھئی؟" وہ حوریہ کے برابر بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گئی۔

"فرصت مل گئی تمہیں۔" اس نے شکوہ کیا تو زوبی مسکرا دی۔

"آنٹی تو اب بھی نہیں آنے دے رہی تھیں۔ خیریت! وہ بڈھی روح نظر نہیں آ رہی۔" زوبی کا انداز سراسر مذاق اُڑانے والا تھا۔ حوریہ کو بُرا تو لگا مگر کچھ کہا نہیں۔

"وہ لائبریری گئی ہے۔"

"تمہاری اس سے فرینڈشپ کیسے ہوگئی۔ مجھے تو وہ خبطی معلوم ہوتی ہے۔ ہر وقت پڑھائی کو سر پر سوار رکھتی ہے۔"

"اُسے چھوڑو تم سناؤ۔ سارا دن کیا کرتی رہیں؟"

"عیش، مزے سے ایک بجے تک سوتی رہی۔ رات چار بجے کے قریب تو پارٹی سے فارغ ہوئے تھے۔ قسم سے ابھی تک تھکن باقی ہے۔" وہ انگڑائی لیتے لیتے ایک دم سیدھی ہوئی۔ "حوریہ! تم نے بھی بتایا ہی نہیں کہ تم شمیل کو جانتی ہو۔"

"کیسے بتاتی۔ مجھے کیا معلوم کہ وہ تمہارا رشتہ دار ہے۔"

"رشتہ دار تو نہیں ہے۔"

"پھر؟"

"دراصل صالحہ آنٹی کے اُس کی ممی سے خاصے دوستانہ تعلقات تھے۔ اگرچہ اب تو اُس کی ممی کی ڈیتھ ہو چکی ہے مگر صالحہ آنٹی کسی بھی فنکشن یا پارٹی پر اُسے انوائیٹ کرنا نہیں بھولتیں۔ انہوں نے اُسے بیٹا بنایا ہوا ہے۔"

"آئی سی۔"

"تم نے بتایا نہیں شمیل کو کیسے جانتی ہو۔" زوبی کے پوچھنے پر اس نے مختصراً اپنی اتفاقیہ ملاقاتوں کا بتایا۔

"ویسے بندہ تو بڑا شاندار ہے وہ۔" زوبی نے ایک سرد آہ بھری تو حوریہ مسکرا دی۔

"تو پھر لائن ملاؤ ناں......"

"ارے وہ گھاس تک نہیں ڈالتا تو لائن کہاں ملائے گا۔ ہاں البتہ اب مجھے خطرے کی بو آرہی ہے۔" وہ حوریہ کو معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکرائی۔

"کیا مطلب؟" حوریہ نے اپنی گھبراہٹ کو ظاہر نہ ہونے دیا۔

"اتنی بھولی تو نہیں ہو تم۔" زوبی نے دیدے مٹکائے۔

"پتا نہیں کیا کہنا چاہ رہی ہو تم۔"

"پورے چھ فٹ کا بندہ قابو کر کے مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں۔" حوریہ خالی خالی نظروں سے اُسے دیکھنے لگی۔

"اتنی حیران مت ہو۔ مجھے شمیل نے سب بتا دیا ہے۔ وہ میرا بہترین دوست ہے۔ وہ مجھ سے کبھی کوئی بات نہیں چھپاتا۔ بہت پریشان ہے بیچارہ یہ سوچ کر کہ جانے تمہارا جواب کیا ہوگا۔" زوبی نے قہقہہ لگایا۔

"زوبی! میں خود بھی فیصلہ نہیں کر پا رہی کہ مجھے کس طرح ری ایکٹ کرنا چاہیے۔"

"ویری سمپل۔ تم کہو قبول ہے' وہ کہے گا آئی لو یو۔ جواب میں تم شرما کر مسکرا دینا۔ قاضی کا انتظام میں کر دوں گی اور پھر شہزادہ شہزادی ہنسی خوشی رہنے لگیں گے۔ ہاہا......"

"بکومت۔" حوریہ جھینپ کر مسکرائی۔

"اوہ۔ یعنی کہ دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔" حوریہ کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھ کر زوبی نے چھیڑا۔ اسی لمحے حوریہ کے موبائل کی بیپ ہونے لگی۔

"السلام علیکم بی بی جان!" وہ حویلی کا نمبر دیکھ چکی تھی۔ جانتی تھی بی بی جان ہی ہوں گی۔

"وعلیکم السلام۔ جیتی رہو۔"

"آپ کیسی ہیں بی بی جان؟"

"اچھی ہوں۔ تمہیں تو فرصت نہیں ملتی کہ دو گھڑی ماں کے ساتھ بات کر لو۔" ماں کے کہنے پر وہ شرمندہ ہوگئی۔ واقعی وہ خاصی لاپروا ہوگئی تھی۔ کئی کئی دنوں بعد فون کرتی تھی۔

"سوری بی بی جان' بس کچھ مصروفیت رہی۔ ایگزامز ہونے والے ہیں ناں۔"

"اچھا دیکھو ایک دو روز میں گھر آ جاؤ۔"

"کیوں؟"

"تم کچھ گھر کی خیر خبر بھی رکھو تو پتہ چلے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔" بی بی جان آج اسے شرمندہ کرنے پر تلی تھیں۔ "اس جمعرات کو مریم اور دُعا کو مایوں بٹھانا ہے۔ کچھ اور رسمیں وغیرہ بھی ہیں۔ بس تم آ جاؤ اب۔"

"بی بی جان! ابھی تو جمعرات میں دو دن باقی ہیں' میں بدھ کو آ جاؤں گی۔"

"اکلوتے بھائی کی خوشی ہے۔ اس میں بھی مہمانوں کی طرح شرکت کرو گی تو لوگ کیا کہیں گے۔ خود سلمان کا دل بھی خراب ہوگا۔"

"کیا ادا کینیڈا سے آ گئے اور مجھ سے کانٹیکٹ بھی نہیں کیا؟" اس نے افسردہ سے لہجے میں شکوہ کیا۔

"ناراض ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بیچارہ تو کل شام سے تمہیں فون کر کے تھک گیا۔ تمہارا موبائل شاید بند تھا۔ ہاسٹل کا نمبر خراب تھا شاید۔" بی بی جان کے کہنے پر اس کی افسردگی دور ہوئی۔ "تو پھر تم آ رہی ہو ناں۔"

"چلیں ٹھیک ہے۔ میں کل آ جاؤں گی۔"

"کل کیوں؟ آج ہی آ جاؤ۔ ضمائر شہر میں ہی ہے' میں ابھی اُسے فون کیے دیتی ہوں' وہ تمہیں لے لے گا۔"

"نہیں بی بی جان' میں خود آ جاؤں گی۔ کسی کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔" اس کا لہجہ کڑوا ہو گیا۔

"اس میں زحمت کی کیا بات ہے۔ تم اپنی تیاری کر لو' شام تو ہونے والی ہے' وہ نکلنے والا ہوگا۔ میں اسے فون کرنے لگی ہوں۔ اچھا اللہ حافظ۔" بی بی جان نے فون بند کر دیا۔ وہ محض دانت پیس کر رہ گئی۔

"کس کا فون تھا؟" زوبی نے دریافت کیا۔

"بی بی جان کا۔"

"یہ کون ہیں؟"

"میری امی ہیں۔" وہ اٹھ کر بیگ سیٹ کرنے لگی۔

"تم جا رہی ہو کہیں؟"

"ہاں آج مجھے گھر جانا ہے۔"

"واپس کب آؤ گی؟"

"پتہ نہیں' ہو سکتا ہے سنڈے کو آ جاؤں۔"

"اوہ تو اس کا مطلب ہے مجھے بھی گھر جانا پڑے گا۔"

"کیا مطلب؟"

"بھئی تمہارے بغیر مجھے مزہ نہیں آئے گا ناں۔" زوبی نے پیار سے حوریہ کے گلے میں بانہیں ڈالیں تو وہ مسکرا دی۔

♥♥♥

ضمائر شاہ کو آدھا گھنٹہ انتظار کروانے کے بعد وہ نیچے آئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ حوریہ نے ایسا جان بوجھ کر کیا ہوگا۔

"ہیلو کیسی ہو؟" حوریہ کی توقع کے برعکس وہ بشاشت سے مسکراتا اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔



"ٹھیک ہوں۔" وہ بے نیازی سے کہتی گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ بیگ باہر ہی رکھا تھا۔ ضمائر نے بیگ اُٹھا کر ڈگی میں رکھا۔ اُس وقت حوریہ کی حیرت کی انتہا نہیں رہی جب ضمائر شاہ نے اُس کا ہاتھ تھام کر اُسے اُٹھایا اور سہولت سے اُسے فرنٹ سیٹ پر دھکیل دیا۔ یہ سب اتنا اچانک تھا کہ ایک لمحے کو تو وہ کچھ بھی نہ بول پائی۔ گاڑی اسٹارٹ ہو چکی تھی۔

"کیا مجھے بار بار یہ باور کروانا پڑے گا کہ تمہاری جگہ پیچھے نہیں یہاں ہے' میرے برابر۔" نظریں ونڈ اسکرین پر جمائے وہ اس سے مخاطب تھا۔ وہ رُخ موڑے بیٹھی رہی۔

"اس طرح رُخ موڑ کر بیٹھنے سے' بات کا جواب نہ دے کر تم کیا سمجھتی ہو مجھ سے فرار حاصل کر لو گی۔ اگر ایسا ہے تو تم سخت غلط فہمی کا شکار ہو حوریہ شاہ۔" ضمائر شاہ کی بات پر حوریہ نے ایک جھٹکے سے اس کی طرف رُخ کیا۔

"انسان کو اتنا بھی خوش فہم نہیں ہونا چاہیے کہ بعد میں حقیقت کا سامنا نہ کر سکے۔" اس کا لہجہ کاٹ لیے ہوئے تھا۔ وہ مسکرا دیا' یوں جیسے کوئی کسی بچے کی نادانی پر ہنستا ہے۔ وہ مزید چڑ گئی۔

"اس طرح جل کڑھ کر کیوں اپنا خون جلاتی ہو۔"

"اس کی وجہ بھی آپ ہی ہیں۔" وہ چیخ کر گویا ہوئی۔

"تم ہر بات میں مجھ ہی کو کیوں قصوروار ٹھہراتی ہو۔" وہ مسکرایا۔ "تم سے شاید کسی نے غلط کہا ہے کہ تم غصے میں بہت خوب صورت لگتی ہو۔" وہ جتنے پُرسکون انداز میں گفتگو کر رہا تھا' حوریہ شاہ اتنی ہی تپی ہوئی تھی۔ اس نے بے زاری سے پہلو بدلا۔ اُن کی حویلی شہر سے تین چار گھنٹے کی مسافت پر تھی۔

"اُف ابھی تو گھنٹہ بھی نہیں ہوا۔" حوریہ نے گھڑی پر نظر ڈالی۔

"تمہارے دو سمسٹر باقی ہیں ناں؟" محض جامد خاموشی کو توڑنے کی غرض سے وہ بولا تھا۔

"آپ سے مطلب۔ ہونہہ۔" اُلٹا جواب ملا تھا' جو ضمائر کو تپا گیا مگر وہ ضبط کر گیا۔

"خیر۔ مطلب تو مجھ ہی کو ہے تم سے۔" وہ معنی خیزی سے مسکرایا تھا۔ "میں تو اس لیے پوچھ رہا تھا تاکہ جان سکوں کہ مزید کتنا انتظار کرنا پڑے گا مجھے۔" وہ جان بوجھ کر ایسی بات کہتا جو حوریہ کو سر سے پیر تک سلگا کر رکھ دیتی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سرخ ہوگئی۔

"دیکھیں' میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ مجھے یہ سب بالکل پسند نہیں ہے۔"

"پھر کیا پسند ہے' وہی بتا دو۔" وہ مسکرایا تو حوریہ کی جان جل کر رہ گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی' گاڑی ایک جھٹکے سے رُکی تھی۔

"لگتا ہے پانی ختم ہو گیا ہے۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اُترا۔ واقعی پانی ختم ہو چکا تھا۔ وہ لوگ اس وقت سنسان سے علاقے میں تھے۔ دُور دُور تک کسی آدم زاد کا نام و نشان نہ تھا۔

"کیا ہوا؟" حوریہ نے دریافت کیا۔

"پانی ختم ہو گیا ہے۔"

"اب کیا ہوگا؟" وہ پریشان ہوگئی۔

"تم یہیں بیٹھو' میں پانی لے کر آتا ہوں کہیں سے۔" اُس نے ڈگی میں سے خالی بوتل نکالی۔

"م...... میں بھی ساتھ چلوں گی۔" وہ تنہا بیٹھنے کے خیال سے گھبرا گئی۔ شام کے اندھیرے اپنے پَر پھیلا رہے تھے۔ ہر طرف مہیب سناٹا تھا۔ صرف ہَوا کی سرسراہٹ سنائی دے رہی تھی۔

"رہنے دو' تم کہاں خوار ہوتی پھرو گی میرے ساتھ۔"

"مجھے یہاں تنہا نہیں بیٹھنا۔" اس سے ضمائر شاہ کو وہ ایک چھوٹی سی بچی لگی جس کی آنکھوں میں خوف ہلکورے لے رہا تھا۔

"اچھا آؤ۔" گاڑی کو لاک کر کے وہ دونوں نکل کھڑے ہوئے۔ کچھ ہی دور چلے ہوں گے کہ حوریہ کا پیر کسی پتھر سے ٹکرایا۔ وہ زمین بوس ہو جاتی اگر ہاتھ بڑھا کر ضمائر کا بازو نہ تھام لیتی۔ اس اچانک اُفتاد پر وہ بھی لڑکھڑایا مگر سنبھل گیا اور بالکل میکانکی انداز میں حوریہ کو بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔ حوریہ سٹپٹا کر اس سے دُور ہوئی تھی۔

"اب اگر گرنے کا ارادہ ہو تو پہلے بتا دینا۔" وہ شوخی سے کہتا آگے بڑھا۔

"پلیز واپس چلیں' میں تھک گئی ہوں۔" دس پندرہ منٹ مزید چلنے کے بعد وہ بولی تھی۔

"واپس جا کر کیا کریں گے۔ گاڑی تو چلے گی نہیں' اب رات گاڑی میں تو نہیں گزاری جا سکتی۔"

"میں اب اور نہیں چل سکتی۔" وہ ایک بڑے سے پتھر پر بیٹھ گئی۔ یہ علاقہ خاصا پتھریلا تھا۔ دور کہیں کہیں خاردار جھاڑیاں اُگی تھیں۔

"چلو ایسا کرتے ہیں کوئی بستی تلاش کرتے ہیں۔ وہ لوگ ہمیں نو بیاہتا جوڑا سمجھ کر ایک رات کے لیے پناہ دے دیں گے۔" اس کا لہجہ بے حد شریر تھا۔ حوریہ نے بُرا سامنہ بنا کر اُس کی طرف دیکھا۔

"فلموں اور کہانیوں میں تو ایسا ہی ہوتا ہے۔" ضمائر نے کندھے اُچکائے۔

"مسٹر ضمائر شاہ! کہانی اور حقیقت میں بہت فرق ہوتا ہے۔ بس اب واپس چلیں۔" وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو گاڑی میں رات گزارنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ایک ایڈونچر یہ بھی سہی۔" وہ بھی ہاتھ جھاڑتا اس کے پیچھے چل پڑا۔

"ارے میرے بیگ میں منرل واٹر کی دو بوتلیں پڑی ہیں۔" گاڑی تک پہنچ کر حوریہ کو یاد آیا تو ضمائر کا جی چاہا سر پیٹ لے۔ (اپنا نہیں حوریہ کا)۔

"خواتین کو یونہی تو بے وقوف نہیں کہا جاتا ناں۔" وہ گاڑی کا لاک کھولنے لگا۔ حوریہ نے چڑ کر اس کی طرف دیکھا۔ "وہی روایتی مردوں والی سوچ۔ خود کو برتر سمجھنا اور عورت کو کم تر۔" وہ محض سوچ کر رہ گئی۔

اندھیرا پھیل چکا تھا۔ بمشکل آدھے گھنٹے کا سفر باقی تھا۔ ضمائر شاہ نے ایک نظر حوریہ پر ڈالی جو سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے جانے کب سو گئی تھی۔ اُس کے صبیح چہرے پر معصومیت اور ملاحت تھی جو اپنی جانب کھینچتی تھی۔ کتنی اپنی اپنی سی لگتی تھی یہ سرپھری لڑکی۔ ضمائر نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔ وہ جانتا تھا کہ حوریہ اس سے بُری طرح بدگمان تھی۔ محض اس لیے کہ وہ شاہ فیملی کے سب مردوں سے نالاں تھی۔ اُن کی حاکمیت پسندی اور مطلق العنان فطرت سے خار کھاتی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ حویلی پہنچ چکے تھے۔ حوریہ ابھی تک بے خبر سو رہی تھی۔ شانے پر دھرا دوپٹہ جانے کب ڈھلک کر گود میں آ گرا تھا۔ ضمائر نے بڑی احتیاط سے اس کا دوپٹہ شانے پر ٹکایا اور دھیرے سے اس کا شانہ ہلایا۔ وہ چونک کر اٹھی تھی۔

"محترمہ! گھر آ چکا ہے۔" وہ بشاشت سے کہتا گاڑی سے اُتر گیا۔ ملازمین اُس کی طرف لپکے۔ سب نے دھڑا دھڑ اُن دونوں پر سلامتیاں بھیجیں۔ سر کے اشارے سے جواب دیتا وہ آگے بڑھ گیا۔ حوریہ اُس کے پیچھے پیچھے اندر داخل ہوئی۔ یہ دیکھ کر ساری تھکن جاتی رہی کہ سب لوگ اس کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ سب سے ملنے کے بعد اس کی متلاشی نگاہوں نے دُعا کے بارے میں دریافت کیا۔

"مریم! دعا کہاں ہے؟"

"اُس کی طبیعت خراب ہے۔ وہ سو رہی ہے۔"

"کیا ہوا؟" وہ بے چین ہو گئی۔

"پتا نہیں، شاید سر میں درد ہے، فلو ہو گیا ہے۔"

"بی بی جان! اُدا سلمان گھر پر نہیں ہیں؟" اس نے دریافت کیا۔

"اگر وہ گھر پر ہوتے تو مریم بی بی اس وقت کسی کونے میں دُبکی ہوئی ملتیں۔" ہادیہ بھابی کی طرف سے جواب آیا تو مریم کے چہرے پر ڈھیروں گلال سمٹ آیا۔

"ارے یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔" وہ مسکرائی۔

"اچھا باقی باتیں بعد میں کر لینا۔ تم تھکی ہوئی آئی ہو جا کر آرام کرو۔ مریم بیٹا! ضمائر کے لیے بھی چائے بنوا کر بھجواؤ۔" ماں جی اُس کے ساتھ ساتھ مریم سے بھی مخاطب تھیں۔ وہ اپنے کمرے میں چلی آئی۔

"السلام علیکم!" صبح ناشتے کی میز پر ہی وہ سب سے مل سکی تھی۔

"وعلیکم السلام۔ ٹھیک ہو بیٹی؟" حیات شاہ کے پیار کا انداز بھی تحکم لیے ہوئے تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ سرد مہری سے کہتی بیٹھ گئی۔ سبھی موجود تھے سوائے دُعا اور مریم کے۔ دُعا طبیعت کی خرابی کی وجہ سے وہاں موجود نہ تھی اور مریم سلمان شاہ کی موجودگی کی وجہ سے۔

"ضمائر شاہ! تمہارا کام تو ٹھیک جا رہا ہے ناں؟" حیات شاہ نے دریافت کیا۔ ضمائر شاہ نے حال ہی میں کراچی میں نئی فیکٹری لگائی تھی۔ چونکہ ناشتے کے وقت گھر کے سبھی افراد موجود ہوتے تھے اسی لیے حیات شاہ اسی وقت سب کی سرگرمیوں کے بارے میں دریافت کیا کرتے تھے۔ بقول حوریہ کے "رپورٹ" لیا کرتے تھے۔

"دادا سائیں! میں سوچ رہا ہوں کراچی شفٹ

ہو جاؤں۔ نیا نیا بزنس ہے زیادہ وقت دینا پڑتا ہے۔ یوں آنے جانے میں خاصا وقت برباد ہو جاتا ہے۔"

"ہوں۔" حیات شاہ نے پُر سوچ ہنکارا بھرا۔ "عنایت شاہ! ہاریوں کے قتل والے مسئلے کا کیا بنا؟" وہ اب تایا جان سے مخاطب تھے۔ حوریہ چڑ گئی۔ خالصتاً گھریلو ماحول میں یہ کاروباری مسئلے ڈسکس کرنا کہاں کا اصول ہے۔ اُس کا جی ناشتے سے اُچاٹ ہو گیا۔ وہ خاموشی سے اُٹھ گئی۔ سوائے خمائز کے کوئی بھی اُس کی جانب متوجہ نہ تھا۔ وہ سر جھٹک کر ناشتے میں مصروف ہو گیا۔

"دُعا! کیسی ہو؟" جانے کتنے لمحے وہ دُعا کے گلے لگ کر کھڑی رہی تھی۔

"جی رہی ہوں۔"

"دُعا! تم انکار کیوں نہیں کر دیتیں؟"

"اگر تم میری جگہ ہوتیں تو کیا انکار کر دیتیں؟"

"بالکل۔"

"اور دادا سائیں اُن کا کیا کرتیں؟"

"تم سب اُن سے اتنا ڈرتے کیوں ہو۔ وہ زیادہ سے زیادہ کیا کریں گے جان سے مار دیں گے۔ مار دیں۔ ایسی زندگی سے تو موت بہتر ہے۔"

"میں تمہاری طرح بہادر نہیں ہوں حوریہ۔" لہجے میں عجیب سی بے بسی تھی۔

"اپنے اندر جرأت پیدا کرو۔ اس طرح گھٹ گھٹ کر جینے سے تو ایک ہی بار مر جانا بہتر ہے۔ دُعا! سکندر شاہ بالکل اچھا آدمی نہیں ہے۔ وہ کسی طور تمہارے لائق نہیں ہے۔"

"جانتی ہوں۔" اُس نے ایک سرد آہ بھری۔

"پھر بھی...... پھر بھی تم یہ زہر پینے پر راضی ہو۔ تم جیسی سلجھی ہوئی لڑکی کسی طرح بھی سکندر جیسے اوباش اور آوارہ شخص کے جوڑ کی نہیں۔"

"حوریہ! تمہیں کس نے یہ حق دیا ہے کہ میرے بھائی کے بارے میں اس طرح کی باتیں کرو۔" ہادیہ بھابی جانے کب وہاں آ کھڑی ہوئی تھیں۔ حوریہ کی بات پر ضبط نہ کر سکیں اور اندر آ گئیں۔ دُعا کے چہرے کا رنگ یکلخت بدلا تھا جبکہ حوریہ پُر سکون تھی۔

"میں نہیں پورا زمانہ یہ باتیں کرتا ہے۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات تو نہیں ہے۔ سب جانتے ہیں آپ کا بھائی کس قماش کا ہے۔"

"حوریہ! تم حد سے بڑھ رہی ہو۔" ہادیہ بھابی کی آواز غصے سے کانپ گئی۔

"میں صرف حقیقت بیان کر رہی ہوں۔" اُس کے اطمینان میں سر مو فرق نہیں آیا تھا۔

"اب جب کہ شادی میں محض چند ہفتے رہ گئے ہیں تم دُعا کو ورغلانے آ گئی ہو۔"

"آپ کے بھائی کی قسمت اچھی ہے کہ اس پر ورغلانے کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

"ہونہہ۔" ہادیہ بھابی پیر پٹختے ہوئے واپس مڑ گئیں۔

"اپنا بھائی تو سب کو آبِ زم زم سے دھلا ہوا لگتا ہے۔" حوریہ بڑبڑائی۔

"حوریہ...... یہ اچھا نہیں ہوا۔" دُعا کوئی گھروں نے آن گھیرا۔

"اُفوہ۔ تم بھی بس ذرا ذرا سی بات پر پریشان ہو جایا کرو۔ کیا کر لیں گی وہ۔ زیادہ سے زیادہ بڑے شاہ کو بتا دیں گی تو اچھا ہے بتا دیں۔ اُن کو بھی احساس ہو کہ وہ کس قدر ظلم کر رہے ہیں۔"

اور ہوا بھی یہی تھا۔ ہادیہ بھابی نے ڈائریکٹ حیات شاہ کو من و عن سب باتیں کہہ سنائی تھیں۔ وہ بھلا اپنے بھائی پر بات کیسے برداشت کر سکتی تھیں۔ حوریہ کو اندازہ نہیں تھا کہ اپنائیت کا دم بھرتی ہادیہ بھابی اس طرح کریں گی۔ حیات شاہ نے اُسے بلا بھیجا تھا۔

"حوریہ! ہادیہ نے جو مجھے بتایا کیا وہ سچ ہے؟" حیات شاہ اس وقت اپنے کمرے میں تنہا تھے۔

"آپ بتائیں کیا میں نے غلط کہا؟" وہ اُلٹا اُن سے پوچھنے لگی۔ اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بے خوفی سے گفتگو کرتی حوریہ شاہ کو دیکھ کر ایک لمحے کو وہ بھی گڑبڑا گئے۔ آج تک اُن کے بیٹوں نے ایسی جرأت نہ کی تھی۔

"تم کون ہوتی ہو صحیح یا غلط کا فیصلہ کرنے والی؟"

"دادا سائیں! اتنا شعور تو ہے ہم میں کہ صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہہ سکیں۔ ہماری آنکھوں پر نام نہاد انا اور روایت پرستی کی پٹی نہیں بندھی ہوئی۔"

"حوریہ شاہ! تم گستاخی کی مرتکب ہو رہی ہو۔" وہ خونخوار ہو کر بولے۔

"نہیں دادا سائیں! میں صرف حقیقت بیان کر رہی ہوں۔ ایسی حقیقت جس سے آپ لوگ جانتے بوجھتے ہوئے نظریں چرا رہے ہیں۔"

"بس۔" انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے مزید بولنے سے روکا۔ "ہم تم سے بہتر جانتے ہیں کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔ اگر تم میری پوتی ہو تو سکندر شاہ میرا نواسہ ہے۔ ہمیں وضاحتیں دینے کی عادت نہیں ہے۔ بس اتنا جان لو کہ آج کے بعد تم اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرو گی۔"

"دادا سائیں! وہ شخص کسی طرح بھی دُعا کے لائق نہیں ہے۔ جو شخص رشتوں کا احترام تک کرنا نہ جانتا ہو وہ بھلا کس طرح قابل اعتبار ہو سکتا ہے۔" وہ انہیں کھل کر نہ بتا پائی کہ کس قدر آلودہ نظریں رکھتا تھا وہ۔

"ہمیں افسوس ہو رہا ہے کہ ہم نے تمہیں اعلیٰ تعلیم کیوں دلوائی۔ یہ شاید ہماری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہے۔"

حیات شاہ کے کہنے پر وہ تاسف میں گھری انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ یہ سچ تھا کہ خاندان کی تمام لڑکیوں میں ایک وہی تھی جو ماسٹرز کر رہی تھی۔ باقی سب تو انٹر یا گریجویشن تک ہی تعلیم حاصل کر پائی تھیں۔ حوریہ اس بات سے یکسر لاعلم تھی کہ اُسے شہر بھیجنے کی پُرزور حمایت ضمائر شاہ نے کی تھی۔ حیات شاہ محض اس لیے ڈھیلے پڑ گئے تھے کیوں کہ اُس کے ہونے والے شوہر کو کوئی اعتراض نہ تھا۔

"اگر چاہتی ہو کہ اپنی تعلیم مکمل کر لو تو آج کے بعد ہمارے فیصلوں سے ٹکرانے کی کوشش مت کرنا۔ اب تم جا سکتی ہو۔" حوریہ دانت پیستی باہر نکل آئی۔

"تو فیصلہ ہو چکا دادا سائیں۔ اب مجھ ہی کو ٹکرانا ہوگا آپ کے فیصلوں سے۔" اُس سمے اُس کی آنکھوں میں نفرت اور بغاوت تھی۔ اُس کا تنا ہوا چہرہ دیکھ کر جہاں بادیہ بھابی کے چہرے پر اطمینان کی لہر اُبھری تھی وہیں دُعا کا سکون غارت ہو گیا تھا۔ وہ کچھ دیر کو خوش فہم ہو چلی تھی کہ شاید حوریہ شاہ اُس کا مقدمہ جیت جائے مگر یہ محض ایک قیاس تھا...... ایک خوش گمانی...... اک آس...... اک سراب تھا۔ حقیقت وہی تھی جو جانے کب سے منہ کھولے اُس کا سکھ چین غارت کیے ہوئے تھی۔

"میں نے کہا تھا ناں کوئی فائدہ نہیں ہے بولنے کا۔" وہ زخمی مسکراہٹ لبوں پر سجائے حوریہ سے مخاطب ہوئی۔ حوریہ بنا کچھ کہے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

دوسرے دن مایوں، اُبٹن وغیرہ کی رسم ادا ہونا تھی۔ صبح سے ہی حویلی میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ درجنوں ملازمائیں پھرکی کی مانند کام میں مصروف تھیں۔ اُس کا جی چاہ رہا تھا اس سب ہنگامے سے دُور بھاگ جائے مگر وہ مجبور تھی۔ پھر اپنے اکلوتے بھائی کی خوشی بھی تو تھی۔ وہ کیونکر لاتعلق رہ سکتی تھی۔

زرد اور میرون کنٹراسٹ کا شیفون کا سوٹ زیب تن کیے وہ بے حد پُرکشش لگ رہی تھی۔ آئینے کے سامنے کھڑی وہ بے دلی سے میک اپ کر رہی تھی جب اس کا پرسنل سیل چیخ اٹھا۔

"ہیلو۔"

"ہیلو حوریہ۔ کیسی ہیں آپ؟" دوسری طرف شمیل خان تھا۔ وہ ایک لمحے کو گنگ رہ گئی۔

"ہیلو حوریہ۔" اس نے دوبارہ پکارا تو وہ حواسوں میں لوٹی۔

"جج...... جی۔ شمیل آپ کو......"

"نمبر کیسے ملا۔ یہی ناں۔" شمیل نے اُس کی بات اُچک لی۔ "زوبی سے لیا ہے۔"

"کیوں؟"

"دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر۔ آئی مس یو حوریہ۔" اس کا لہجہ جذبوں کا بھاری پن لیے ہوئے تھا۔ حوریہ دھیرے سے مسکرا دی۔

"آپ ڈائیلاگ اچھے بول لیتے ہیں۔"

"آپ جانتی ہیں یہ ڈائیلاگ نہیں ہے۔"

"آپ کو یقین ہے؟"

"ہاں، کیوں کہ یہ دل کی اگن ہے، جس کی تپش دونوں طرف محسوس ہوتی ہے۔ مجھے اب تم یہ مت کہنا کہ میں قیافہ شناسی اچھی کر لیتا ہوں۔" شمیل ایک دم آپ سے تم پر آ گیا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

"اب اگر میں تمہاری ہنسی کی تعریف کروں گا تو تم کہو گی کہ میں لفاظی کر رہا ہوں۔"

"پلیز! اب مجھے شرمندہ تو نہ کریں۔"



"تو کب واپس آ رہی ہو پھر؟"

"پتا نہیں۔"

"پلیز حوریہ، کچھ تو رحم کرو مجھ پر۔"

"رحم کی بھیک تو ظالم سے مانگی جاتی ہے۔ میں ظالم تو نہیں۔"

"تم کتنی ظالم ہو، یہ کوئی میرے دل سے پوچھے۔"

"آپ بہت بولتے ہیں۔"

"عشق میں لوگوں کی زبان بند ہو جاتی ہے، میری بے لگام ہو گئی ہے۔" اُف کیسی باتیں کرتا تھا وہ۔ حوریہ کے چہرے پر گلال سمٹ آیا۔ باہر سے دروازہ بجایا گیا۔

"کون؟" اس نے موبائل دُور کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"اوری! آپ کو وڈی بی بی بلا رہی ہیں۔"

"اچھا۔ میں آتی ہوں۔" ملازمہ کو جواب دے کر وہ شمیل کی طرف متوجہ ہوئی۔

"گڈ تو تم آ رہی ہو۔" اُدھر سے وہ کہہ رہا تھا۔

"یہ میں نے کب کہا؟"

"ابھی۔"

"وہ آپ سے نہیں ملازمہ سے کہا تھا۔" وہ مسکرائی۔

"آہ، ہم سے زیادہ نصیبوں والی تو ملازمہ نکلی۔" اُس نے سرد آہ بھری۔

"اب میں فون بند کرنے لگی ہوں۔"

"میں پھر فون کروں گا۔ ٹیک کیئر۔" لائن ڈسکنیکٹ ہو چکی تھی۔ وہ کتنی ہی دیر سرشاری کے عالم میں موبائل ہاتھ میں لیے کھڑی رہی۔ شمیل خان سے بات کر کے ساری بیزاری جاتی رہی تھی۔ وہ میک اپ کو فائنل ٹچ دیتی باہر چلی آئی۔ دُعا اور مریم کو رسم کے لیے اسٹیج پر بٹھا دیا گیا تھا۔

لڑکیاں بالیاں ڈھولک کی تھاپ پر گیت گا رہی تھیں۔ خادمائیں مٹھائیوں کے ٹوکرے اُٹھائے مہمانوں کا منہ میٹھا کروا رہی تھیں۔ بعد میں پُرتکلف کھانے کا انتظام بھی تھا۔ سارا دن وہ چہکتی پُھدکتی سی رہی تھی۔ شمیل خان سے بات کرنے کے بعد اپنے اندر اتنی ہی تازگی محسوس کر رہی تھی۔ ہر رسم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

"حوریہ! کسی کو بھیج کر اندر سے پھولوں کے گجرے اور ہار وغیرہ اُٹھواؤ۔ مہمان خواتین میں تقسیم کرنے ہیں۔" بی بی جان کے کہنے پر وہ ملازمہ کو آنے کا اشارہ کرتی آگے بڑھ گئی۔ ملازمہ پھولوں کے گجروں اور ہاروں سے بھرا تھال اُٹھائے باہر چلی گئی۔ چند گجرے نیچے گر گئے۔ وہ اُٹھانے کو جھکی تو عین اُسی لمحے ایک اور ہاتھ بھی گجروں کی طرف بڑھا تھا۔ حوریہ نے چونک کر سر اُٹھایا۔ اپنی تمام تر وجاہتوں سمیت ضمائر شاہ اُس کے سامنے کھڑا تھا۔ کرنٹ تو اُسے تب لگا جب ضمائر شاہ نے سہولت سے اُس کا ہاتھ تھام کر اُس کی کلائی میں گجرا سجایا۔ ارادہ تھا کہ دوسرا گجرا بھی اُس کی کلائی کی زینت بنائے مگر اُس نے ہاتھ کھینچ لیا۔

"ارے تم تو یوں بدک رہی ہو جیسے میں کوئی غیر ہوں۔" وہ مسکرایا۔

"نامحرم ہیں آپ میرے لیے۔" وہ چبا چبا کر بولی۔

"یہ غصہ کیا اسی بات کا ہے کہ ابھی تک نامحرم ہوں تمہارے لیے۔" ضمائر شاہ کی بات پر اُس کا جی چاہا قتل کر ڈالے اُسے۔

"اس قسم کی گھٹیا سوچ نہیں ہے میری۔"

"مگر میری تو ہے۔" کمال ڈھٹائی سے اُس کا ہاتھ تھام کر کلائی میں بندھا گجرا چہرے کے قریب لے جا کر گہرا سانس لیا گویا موتیے اور گلاب کی بھینی بھینی خوشبو اندر تک اُتاری۔

"کتنے خوش فہم ہو ضمائر شاہ۔" وہ ہاتھ چھڑوا کر گویا تاسف کر رہی تھی۔

"یہ خوش فہمی نہیں حقیقت ہے، حالانکہ تم یہ اچھی طرح جانتی ہو۔"

"میں چٹانوں سے ٹکرانے کا حوصلہ رکھتی ہوں۔" اُس کا لہجہ پُرعزم تھا جسے ضمائر شاہ کے قہقہے نے چٹکیوں میں اُڑا دیا۔ وہ مزید تپ گئی۔

چہرے پہ میرے زُلف کو بکھراؤ کسی دن
کیا روز گرجتے ہو برس جاؤ کسی دن

لہجے کی گھمبیرتا نے حوریہ کو نظریں جھکانے پر مجبور کر دیا۔ آج پہلی بار وہ اس طرح کھل کر سامنے آیا تھا۔

"جانے کس مٹی سے بنے ہو ضمائر شاہ۔" گجرا اُتار کر پھینکا اور چلی گئی۔ ضمائر شاہ ہر بار کی طرح اس بار بھی مسکرا کر سر نہیں جھٹک سکا تھا۔

♥♥♥

''ارے تم اتنی جلدی آ گئیں؟'' سعدیہ یونی ورسٹی سے لوٹی تو حوریہ کو دیکھ کر حیران ہوئی۔

''کیا نہ آتی؟''

''میں نے ایسا کب کہا۔'' وہ اُس کے گلے لگ گئی۔ ''میرا خیال تھا کہ اب کے شادی کا فنکشن نمٹا کر ہی آؤ گی۔''

''ابھی تو دو ہفتے پڑے ہیں شادی میں۔''

''کیسا رہا فنکشن؟''

''ہاں' اچھا تھا۔ زوبی آ گئی؟'' وہ سرسری جواب دے کر زوبی کے بارے میں دریافت کرنے لگی۔

''وہ گئی کہاں تھی؟''

''اپنے گھر اور کہاں!''

''نہیں وہ تو کہیں نہیں گئی۔''

''اچھا۔'' وہ چپ سی ہو گئی۔

''ضمائر بھائی کا کیا حال ہے؟''

''کوئی ضرورت نہیں ہے اُس کا حال احوال پوچھنے کی۔'' وہ نئے سرے سے تپ گئی۔

''کیوں بھئی؟'' سعدیہ مسکرائی۔ ''آخر کو میرے جیجا جی ہیں۔''

''ہونہہ۔ بڑی آئی جیجا جی کی چمچی۔''

''حوریہ! وہ تمہیں اتنا بُرا کیوں لگتا ہے۔ ایمان سے اگر میرا منگیتر ایسا ہوتا تو......''

''میں بخوشی راضی ہوں' تم اب بھی چاہو تو اُس کی منگیتر کے عہدے پر فائز ہو سکتی ہو۔'' حوریہ نے اُس کی بات کاٹی۔

''بہت شکریہ آپ کی دریا دلی کا۔ میں اُس کی نہیں' اُس جیسے کی بات کر رہی ہوں۔''

''ہونہہ۔ اس جیسا تو پھر ملنا مشکل ہے۔ اللہ نے ایک ہی پیس ایسا بنایا ہے۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔ سعدیہ محض اُسے دیکھ کر رہ گئی۔

شام کو زوبی بھی آ گئی۔ حوریہ سے ملتے نہ تھکتی تھی۔ سعدیہ کو اس بناوٹی محبت سے سخت چڑ ہوتی تھی مگر حوریہ نہ سمجھتی تھی۔ زوبی اُسے شمیل خان کی بے تابی کے قصے سنا رہی تھی جنہیں سن کر حوریہ کے لبوں پر دھیمی سی مسکان بکھر گئی تھی۔

''بھئی مجھے مجبوراً تمہارا موبائل نمبر دینا پڑا۔ اُس کی حالت مجھ سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔''

''ایسے خواہ مخواہ ہی......''

''اب ہو مت۔ مجھے پتا ہے دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی۔'' وہ کھلکھلائی۔ ''سنو! وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔''

''کب؟''

''جب تم کہو۔''

''آج تو میں بہت تھکی ہوئی ہوں۔''

''کل کا پروگرام رکھ لیتے ہیں۔ ڈنر......''

''نہیں۔ ڈنر وِنر نہیں۔''

''چلو لنچ ٹائم صحیح ہے۔'' زوبی کے کہنے پر وہ چپ ہو گئی۔

دوسرے روز وہ یونی ورسٹی سے جلدی آ گئی تھی اور کچھ ہی دیر بعد وہ زوبی کے ہمراہ ''کارلٹن'' میں موجود تھی۔ شمیل خان پہلے سے ہی موجود تھا۔ انہیں آتا دیکھ کر کھل اٹھا۔

''بڑا انتظار کروایا۔''

''محبت میں ہی تو انتظار کا مزہ آتا ہے۔'' زوبی کی طرف سے جواب آیا۔

''بیٹھو ناں۔''

''نہیں' مجھے تو جانا ہے۔ حوریہ البتہ یہیں ہے۔'' زوبی کے کہنے پر حوریہ نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

''تم...... تم کہاں جا رہی ہو؟'' شمیل کے ساتھ تنہا بیٹھنے کے خیال سے وہ گھبرا گئی۔

''صالحہ آنٹی کے ہاں جانا ہے۔ کئی روز ہو گئے ہیں مجھے وہاں گئے ہوئے۔ وہ انتظار کر رہی ہوں گی اوکے بائے۔'' وہ ہاتھ ہلاتی چلی گئی۔ حوریہ شش و پنج میں جتلا کھڑی تھی۔

''حوریہ! بیٹھو ناں پلیز۔'' شمیل کے کہنے پر اُسے بیٹھنا پڑا۔ ''پہلے لنچ یا باتیں؟''

''باتیں۔''

''میری بے تابی کے قصے۔'' شمیل کے کہنے پر وہ نظریں جھکا گئی۔ ''میں سمجھتا تھا کہ مجھے کبھی محبت ہو ہی نہیں سکتی مگر...... مگر تم سے ملنے کے بعد جانا کہ عشق کیا ہوتا ہے۔ پیار کسے کہتے ہیں۔'' حوریہ نے گھنیری پلکیں اُٹھائیں' وہ اُسی کو دیکھ رہا تھا۔

''کچھ تو کہو حوریہ۔'' شمیل نے میل پر دھرے اس کے ہاتھ پر اپنا بھاری ہاتھ رکھا تو حوریہ نے دھیرے سے اپنا ہاتھ



کھینچ لیا۔

''میں کیا کہوں۔ سب کچھ تو تم نے کہہ دیا۔''

''مگر میں تمہارے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔''

''لڑکیاں اظہار نہیں کیا کرتیں۔'' اُس نے کچھ نہ کہہ کر بھی سب کچھ کہہ دیا تھا۔

''تھینک یو حوریہ۔'' وہ ہلکا پھلکا ہو کر مسکرایا۔ ''میرا خیال ہے اب لنچ کر لیا جائے۔ میں نے تو مارے خوشی کے صبح سے کچھ کھایا ہی نہیں۔''

لنچ کرتے ہوئے وہ دھیرے دھیرے اپنی بے تابیوں کے قصے بھی سنا رہا تھا۔ حوریہ چپ چاپ سنتی رہی۔ جانے کیوں اُسے یہ سب ٹھیک نہیں لگ رہا تھا۔ لنچ کے بعد شمیل کا ارادہ لانگ ڈرائیو کا تھا مگر حوریہ نے منع کر دیا۔

''شمیل! مجھے اس طرح ملنا جلنا یا لانگ ڈرائیوز پر جانا پسند نہیں ہے۔ آج بھی میں زوبی کے اصرار پر آ گئی ہوں' آئندہ پلیز یہ لنچ یا ڈنر وغیرہ کے بارے میں مت کہنا۔''

''یعنی ملنے پر بھی پابندی۔''

''بالکل۔ مجھے اس طرح ہوٹلنگ وغیرہ پسند نہیں ہے۔ ہاں فون پر بات ہو سکتی ہے۔''

''تھینک گاڈ۔ تم نے کچھ تو خیال کیا میرا۔ ایسے ہی تو میں تمہیں ظالم نہیں کہتا۔'' وہ شوخی سے کہتا گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

شمیل خان کے ساتھ گزرا وقت حوریہ کے لیے بے حد اہمیت کا حامل تھا۔ سارا دن موڈ خوش گوار رہا۔

''خیریت۔ آج بہت خوش نظر آ رہی ہو۔'' سعدیہ نے پوچھا تو وہ مسکرا دی۔

''ہے ایک بات۔''

''اچھا۔'' سعدیہ نے کریدا نہیں۔ اس کی عادت نہیں تھی کریدنے کی۔ حوریہ خود ہی ہر بات اُسے بتا دیا کرتی تھی اور اب بھی یہی ہوا تھا۔ وہ رہ نہ سکی اور سعدیہ کو سب کچھ بتا دیا۔ شمیل سے ملاقات' اُس کا پروپوز کرنا' لنچ کرنا وغیرہ وغیرہ۔ سعدیہ خاموش بیٹھی سنتی رہی۔

''سعدیہ! وہ بہت اچھا ہے۔ بہت نائس اور ویل مینرڈ۔ وہ اظہارِ محبت بھی کرتا ہے تو انداز عامیانہ نہیں ہوتا۔''

''حوریہ! کیا تم سمجھتی ہو کہ تم جو کر رہی ہو وہ صحیح ہے؟''

''آف کورس۔''

''کیا تمہارے گھر والے مان جائیں گے؟''

''انہیں ماننا پڑے گا۔ میں خاموش رہ کر قربانی کا بکرا نہیں بنوں گی۔''

''اور ضمائر شاہ؟''

''اُس کی پروا کسے ہے۔'' اس نے نخوت سے سر جھٹکا۔

''پھر بھی حوریہ۔ یوں آنکھیں بند کر کے کسی پر اعتبار کر لینا ٹھیک نہیں ہے۔ پہلے پوری جانچ پڑتال کر لو۔'' سعدیہ نے دوست ہونے کے ناتے نصیحت کرنا ضروری سمجھا۔

''زوبی جانتی ہے اُسے۔''

''اور زوبی کو کون جانتا ہے؟''

''کم آن سعدیہ نہ جانے تمہیں زوبی سے اتنی چڑ کیوں ہے۔ اتنی اچھی لڑکی ہے' اس کی صالحہ آنٹی سے بھی مل چکی ہوں میں۔ اچھی خاصی ڈیسنٹ خاتون ہیں۔''

''خیر جو تم بہتر سمجھو۔ میری تو خدا سے دُعا ہے کہ تم ہمیشہ خوش رہو۔''

''تھینک یو۔'' اس نے پیار سے سعدیہ کا ہاتھ دبایا تو وہ مسکرا دی۔

شمیل کا فون تقریباً روز ہی آتا تھا۔ اُس نے ایک دو بار ملنے پر اصرار کیا مگر حوریہ نے منع کر دیا۔ بہرحال کچھ حدود تھیں جو اُس نے خود ہی قائم کر رکھی تھیں۔ شمیل کا برتھ ڈے تھا جو وہ اُس کے ساتھ سیلیبریٹ کرنا چاہتا تھا۔ حوریہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی جانا پڑا تھا۔ فنکشن کا انتظام صالحہ آنٹی کے ہاں تھا۔ وہ حیران ہوئی تو زوبی نے اُس کی حیرت دور کی۔

''دراصل صالحہ آنٹی نے اُسے بیٹا بنایا ہوا ہے اور جب سے شمیل کی ممی کی ڈیتھ ہوئی ہے وہ اپنا برتھ ڈے صالحہ آنٹی کے گھر ہی سیلیبریٹ کرتا ہے۔'' شعیفون کے رسٹ کلر کے لباس میں وہ نظر لگ جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔

''میں اس وقت بُری طرح جیلس ہو رہی ہوں۔'' زوبی نے مسکرا کر کہا۔ شمیل اور صالحہ آنٹی استقبال کے لیے گیٹ پر موجود تھے۔

''ہیپی برتھ ڈے۔'' پھولوں کا بُوکے اور گفٹ پیک اُسے تھماتے ہوئے وہ دھیرے سے بولی تھی۔

''تھینکس' تم آ گئی ہو۔ میرے لیے یہی سب سے بڑا

گفٹ ہے۔" شمیل نے کیک کاٹا تو سب سے پہلے کیک اُس کی طرف بڑھایا۔ اتنے لوگوں کی موجودگی میں وہ بُری طرح نروس ہوگئی۔ اُس نے تھینک یو کہہ کر کیک ہاتھ میں لے لیا۔ پُرتکلف ڈنر کے بعد "میوزیکل نائٹ" کا پروگرام تھا مگر وہ جانے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ "آج بھی اتنی جلدی جارہی ہو؟"

"جلدی! بارہ بجنے والے ہیں۔"

"جی چاہ رہا ہے تمہیں آج کہیں نہ جانے دوں۔"

"پلیز شمیل! مجھے وقت بے وقت ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔"

"پھر کب آئے گا یہ وقت؟"

"بہت جلد۔"

"چلو میں تمہیں ڈراپ کردوں۔ اب پلیز یہ مت کہنا کہ گاڑی ہے تمہارے پاس۔"

"اوکے۔ مگر زوبی کو بھی ساتھ چلنا ہے۔" وہ کہہ رہی تھی جبھی زوبی چلی آئی۔

"سوری حوریہ۔ میں تو جانا چاہ رہی تھی مگر صالحہ آنٹی نہیں جانے دے رہیں۔"

"ٹھیک ہے تم چلو تو سہی۔ شمیل کے ہمراہ واپس آجانا۔" وہ جانے کیوں شمیل کے ساتھ تنہا جانے سے گھبرا رہی تھی۔

"حوریہ! کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟"

"مجھے اپنے آپ پر زیادہ اعتبار ہے۔ مگر آج میرا جی چاہ رہا ہے کہ زوبی بھی ساتھ چلے۔" اُس کے اصرار پر زوبی کو ماننے ہی بنی۔

گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے حوریہ کو دیکھا تو وہ مسکرادی۔ راستہ ہلکی پھلکی گفتگو میں کٹا۔ شمیل نے بیک ویو مرر حوریہ پر سیٹ کر رکھا تھا۔ گاہے بگاہے مسکراتی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ ہاسٹل کے گیٹ پر اُسے اُتار کے وہ گاڑی واپس موڑنے لگا۔ وہ آگے بڑھی تو ایک دم ٹھٹک کر رک گئی۔ سامنے کھڑے شخص پر نظر پڑتے ہی اُس کا حلق خشک ہوگیا۔

"ضماز شاہ۔ اس وقت؟" اُس کے قدم من من بھر کے ہورہے تھے۔ بجلی تو اُس وقت گری جب گاڑی میں سے دوسرا شخص برآمد ہوا۔ "ادا سلمان۔"

"حوریہ! میں تمہارا خون پی جاؤں گا۔" سلمان طیش بھرے انداز میں اُس کی طرف بڑھا۔

"سلمان۔" ضماز شاہ نے فضا میں بلند اُس کا ہاتھ تھام لیا جو اُس نے حوریہ کو مارنے کے لیے اُٹھایا تھا۔

"تم اس قدر گر سکتی ہو میں نے سوچا بھی نہ تھا۔" سلمان شاہ کی غیرت چوٹ کھائے ناگ کی طرح بل کھا رہی تھی۔

"ریلیکس سلمان۔ حوریہ تم گاڑی میں چل کر بیٹھو۔" وہ اب حوریہ سے مخاطب تھا۔ حوریہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔

"حوریہ۔ میں کہہ رہا ہوں گاڑی میں بیٹھو۔" ضماز کا لہجہ بھی درشت ہوگیا۔ اُسے مجبوراً بیٹھنا پڑا تھا۔ ضماز ڈرائیو کررہا تھا اور اُس کے برابر بیٹھا سلمان پہلو پہ پہلو بدل رہا تھا۔ ایک لمحے کو حوریہ خوف زدہ ہوئی مگر اب وہ پُرسکون تھی۔ "مجھے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔" وہ سوچ رہی تھی۔ "شکر ہے زوبی ساتھ تھی ورنہ جانے کیا ہوجاتا۔" شاید اُس کی چھٹی حس نے اُسے آگاہ کردیا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد گاڑی وسیع و عریض بنگلے کے پورٹیکو میں جارکی تھی۔

"نکلو باہر۔" سلمان سے مزید ضبط نہ ہوسکا تھا۔ حوریہ کا بازو تھامے تقریباً گھسیٹتے ہوئے وہ اُسے اندر لایا تھا۔ "کیا اسی دن کے لیے تم نے یونی ورسٹی میں داخلہ لیا تھا؟" اُسے صوفے پر پٹختے ہوئے وہ غرایا۔ ضماز شاہ فی الوقت خاموش تماشائی بنا کھڑا تھا۔

"آخر قصور کیا ہے میرا؟"

"قصور...... تم پوچھتی ہو کیا قصور ہے تمہارا۔ تم نے ہماری عزت مٹی میں ملادی ہے۔"

"ادا۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا جس سے آپ کی یا خاندان کی عزت پر کوئی حرف آئے۔"

"اتنی رات گئے ایک غیر مرد کے ساتھ تنہا گھومنا پھرنا کیا شریف لڑکیوں کو زیب دیتا ہے۔"

"میں تنہا نہیں تھی۔ میری دوست بھی میرے ساتھ تھی۔"

"بہرحال۔ تم اب یہاں نہیں رہوگی۔ بس بہت پڑھ لیا تم نے۔ ضماز صبح ہوتے ہی ہم لوگ نکل جائیں گے۔" حوریہ نے دزدیدہ نظروں سے اپنے بھائی کو دیکھا۔

"ادا پلیز! آپ مجھے غلط مت سمجھیں۔" وہ گڑگڑائی۔ مصلحت کا تقاضا بھی تھا۔

"تم نے میرے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی ہے۔" وہ بے دم سا



ہوکر صوفے پر ڈھے گیا۔

"نہیں ادا۔ میں نے کچھ غلط نہیں کیا کوئی گناہ نہیں کیا۔" وہ سلمان کے پاس دوزانو بیٹھ گئی۔

"پھر تم بتاؤ اتنی رات گئے ایک غیر شخص کے ساتھ......"

"ادا میں تنہا نہیں تھی۔ میری فرینڈ بھی میرے ساتھ تھی۔ اول تو وہ بُرا آدمی نہیں ہے میری فرینڈ کا کزن ہے۔ میں اپنی فرینڈ کی برتھ ڈے پارٹی میں گئی تھی۔ واپسی پر میری گاڑی خراب ہوگئی تو اس نے مجھے لفٹ دے دی۔ پھر بھی ادا! اگر آپ کو بُرا لگا تو آئی ایم سوری۔ آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔" وہ اپنی باتوں سے سلمان کا دل صاف کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہوگئی تھی۔ بھرائی آواز میں بولتی نم آنکھیں لیے سلمان کا دل پسیجنے لگا۔ بہرحال اپنی اکلوتی بہن سے محبت بھی وہ بہت کرتا تھا۔

"اوکے جاؤ جاکر سو جاؤ۔" سلمان کے کہنے پر وہ اُٹھ گئی۔ جاتے جاتے ایک نظر ضماز شاہ پر ڈالی جو بڑی عجیب نظروں سے اُسے دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ جانتا تھا کہ حوریہ جھوٹ بول رہی تھی۔ وہ مطمئن ہوا یا نہیں مگر اس نے منہ سے کچھ نہ کہا۔ وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔

❤❤❤

"حوریہ۔ یہ دیکھو۔" سعدیہ نے ایک فیشن میگزین اُس کے سامنے پھینکا۔ حوریہ جو پڑھنے کی کوشش کررہی تھی چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"کیا ہے یہ؟"

"تم خود ہی دیکھ لو۔" سعدیہ اپنا ہینڈ بیگ ایک طرف رکھ کر واش روم کی طرف چلی گئی۔ حوریہ نے اُلٹ پلٹ کر دیکھا اس کی سمجھ میں بالکل نہ آیا کہ سعدیہ نے آخر اُسے یہ کیوں دیا تھا۔

"دیکھ لیا؟" سعدیہ واش روم سے باہر آچکی تھی۔

"بھئی کون سی خاص چیز ہے اس میں جو تم مجھے دکھانا چاہ رہی ہو؟"

"یہ دیکھو۔" سعدیہ نے میگزین کھول کر اس کے سامنے رکھا حوریہ کی نگاہیں ایک لمحے کو ساکت رہ گئیں۔ نیم عریاں لباس میں ملبوس بلاشبہ وہ زوبی ہی تھی۔ مختلف ڈریسز اور پوزز میں اس کی آٹھ دس تصاویر تھیں۔

"سعدیہ یہ...... یہ تو زوبی......"

"ہاں زوبی ہی ہے۔ میں بھی پہلے نظروں کا دھوکہ سمجھی تھی۔"

"مگر تمہیں یہ ملا کہاں سے؟"

"ہر بک اسٹال پر یہ میگزین پڑا ہے۔ یونہی ورق گردانی کرتے ہوئے میری نظر پڑ گئی۔"

"امپاسبل۔ زوبی ایسا نہیں کرسکتی۔" وہ نفی میں سر ہلانے لگی۔

"اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد بھی تمہیں یقین نہیں آیا؟"

"مگر سعدیہ......"

"حوریہ! میں نے تمہیں پہلے دن ہی کہہ دیا تھا کہ مجھے یہ لڑکی ٹھیک نہیں لگتی۔"

"میں...... میں زوبی سے پوچھوں گی۔"

"اس سے کیا ہوگا؟"

"ہوسکتا ہے یہ کسی کی سازش ہو۔"

"یہ محض دل بہلاوے کی بات ہے اور کچھ نہیں۔ مگر حقیقت وہی ہے جو نظر آرہی ہے۔" سعدیہ کے کہنے پر حوریہ خاموش ہوگئی مگر دل میں تہیہ کرلیا کہ زوبی سے ضرور پوچھے گی۔ زوبی اپنے گھر اسلام آباد گئی ہوئی تھی۔ جانے کب واپس آتی۔ شمیل خان سے بھی اس کا ملنا جلنا نہیں تھا۔ ادا سلمان کتنی یقین دہانیوں کے بعد اُسے ہاسٹل چھوڑنے پر راضی ہوئے تھے اور وہ ان کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔ دو روز بعد زوبی آگئی۔

"زوبی! یہ سب کیا ہے؟" سلام دعا کے بعد حوریہ نے دریافت کیا۔

"کک...... کیا؟" ایک لمحے کو زوبی بھی گڑبڑا گئی۔

"یہ گھٹیا ماڈلنگ تم نے کیوں کی؟" حوریہ نے رسالہ اس کے سامنے پھینکا۔

"یہ...... یہ میں نہیں ہوں۔" وہ اب سنبھل چکی تھی۔

"جھوٹ مت بولو۔ یہ تصاویر تمہاری ہی ہیں۔"

"یہ میری نہیں میری بہن کی تصاویر ہیں۔"

"تمہاری بہن؟"

"ہاں۔ میری جڑواں بہن۔"

"تم نے پہلے تو کبھی نہیں بتایا۔"
"ہاں کیوں کہ ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"
"کیا مطلب؟"
"اس کی انہی حرکتوں کی وجہ سے مما پاپا نے اُسے عاق کردینے کا فیصلہ کیا۔ مگر یہ نہ مانی اور گھر چھوڑ کر چلی گئی۔ اب اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مرچکی ہے یہ ہمارے لیے۔" زوبی آزردہ ہوگئی۔
"آئی ایم سوری زوبی۔"
"اٹس اوکے۔" زوبی نے آنسو پونچھے۔ "سنو! شمیل تم سے ملنا چاہتا ہے۔"
"یہ ممکن نہیں ہے زوبی۔"
"وہ مرجائے گا حوریہ۔"
"میں اُس سے فون پر بات کرلوں گی۔" حوریہ کے کہنے پر زوبی خاموش ہوگئی۔ اور پھر کچھ ہی دیر بعد وہ شمیل سے بات کررہی تھی۔
"حوریہ! میں اب مزید انتظار نہیں کرسکتا۔" وہ خاصا سنجیدہ تھا۔
"شمیل خان! میں پہلے بھی بتاچکی ہوں کہ مجھے اپنے گھر والوں کو راضی کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔"
"کتنا وقت؟"
"کچھ کہہ نہیں سکتی۔ آٹھ دنوں بعد میرے بھائی کی شادی ہے۔ اُن کی شادی کے بعد ہی میں بات کرسکوں گی۔"
"حوریہ! اگر وہ نہ مانے تو؟" شمیل نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔ ایک لمحے کو تو حوریہ بھی خاموش رہ گئی۔ اس نہج پر تو اس نے سوچا بھی نہ تھا۔ وہ پُراعتماد تھی کہ اپنی منوالے گی۔
"اگر وہ نہ مانے تو ہم......"
"تو ہم کورٹ میرج کرلیں گے۔" شمیل نے اُس کی بات کاٹی۔ حوریہ خاموش ہورہی۔ شاید وہ بھی یہی کہنا چاہ رہی تھی۔
"کیا یہ صحیح ہوگا شمیل؟" کچھ دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہوئی۔
"محبت میں صحیح غلط نہیں دیکھا جاتا۔ ہم دونوں بالغ ہیں' باشعور ہیں' زندگی اپنی مرضی سے گزارنے کا حق رکھتے ہیں۔"
"مگر تم جانتے ہو کہ میرا تعلق ایک فیوڈل فیملی سے ہے۔"
"میں تمہیں اس گھٹے ہوئے ماحول سے نکالنا چاہتا ہوں۔ یہ فیوڈل لارڈز عورت کو پیر کی جوتی سمجھتے ہیں۔ بے زبان جانوروں سے بھی زیادہ بُرا سلوک روا رکھتے ہیں۔ عورت کی خواہشات اور آرزوؤں کا بڑے آرام سے گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔" شمیل کی انہی باتوں نے تو حوریہ کو دیوانہ بنا رکھا تھا اور پھر باتیں کرتے ہوئے انہیں وقت گزرنے کا احساس بھی نہ ہوا۔
اُس روز وہ زوبی کے ساتھ بازار گئی۔ "گفٹ امپوریم" سے شمیل خان نکلتا دکھائی دیا۔ جھٹکا تو اسے تب لگا جب نظر اُس کے ساتھ موجود لڑکی پر پڑی۔
"زوبی! وہ شمیل ہی ہے ناں۔" اس نے فوراً زوبی کو متوجہ کیا۔ زوبی نے دیکھا تو ایک لمحے کو وہ بھی گڑبڑا گئی۔
"ہاں...... نہیں وہ......"
"اب یہ مت کہنا کہ یہ شمیل کا جڑواں بھائی ہے۔" وہ سلگ کر گویا ہوئی۔
"نہیں' یہ شمیل ہی ہے اور اس کے ساتھ یہ لڑکی اس کی بہن ہے۔"
"بہن۔" وہ چکراگئی۔ "مگر تم نے یا شمیل نے پہلے تو کبھی نہیں بتایا کہ اس کی کوئی بہن بھی ہے۔" وہ واقعتاً اُلجھ گئی تھی۔
"منہ بولی بہن ہے اس کی۔ اب چلو ساری باتیں کیا یہیں کھڑے کھڑے کروگی۔" زوبی بے منت کرکے آگے بڑھ گئی۔ حوریہ غائب دماغی کے عالم میں گاڑی میں آبیٹھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ سب کیا تھا۔ منہ بولی ماں' منہ بولی بہن' کل کو منہ بولی بیٹی بھی آجائے گی۔
"کیا ہوا حوریہ! اتنی پریشان کیوں ہورہی ہو؟" زوبی نے اس کی غائب دماغی کو نوٹ کرتے ہوئے کہا۔
"نہیں' ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ ٹال گئی۔ "ہوسکتا ہے زوبی نے جو کہا ہے وہی سچ ہو۔ ویسے بھی اسے کیا پڑی ہے مجھ سے جھوٹ بولنے کی۔" اس نے خود کو بہلایا۔
بی بی جان کا فون آیا تھا اور انہوں نے جلد از جلد پہنچنے کی تاکید کی تھی مگر وہ مصروفیت کے باعث محض دو دن پہلے ہی پہنچ سکی تھی۔ پوری حویلی بقعہ نور بنی ہوئی تھی۔ تقریباً سب مہمان آچکے تھے۔ گھر میں خوب رونق لگی تھی۔ اکلوتے بھائی کی



شادی تھی اس لیے وہ پورے جوش و خروش سے شرکت کررہی تھی۔ ادا سلمان کے حوالے سے وہ لڑکے والی تھی تو دُعا کی طرف سے سالی کا رول بھی اُسے ہی پلے کرنا تھا۔ مہندی کے روز رسم کے مطابق نیگ لینے کے لیے سکندر شاہ کی انگلی تھامی تو اُس نے بڑی کمینگی سے حوریہ کا ہاتھ تھام لیا۔ یکلخت حوریہ کے چہرے پر ناگوار سے تاثرات اُبھرے تھے۔ اس نے ہاتھ کھینچنا چاہا مگر سکندر شاہ نے گرفت کچھ اور مضبوط کرلی تھی۔
اتنے لوگوں کی موجودگی میں وہ اسے کوئی سخت بات بھی نہ کہہ سکتی تھی' بظاہر وہ ہنس ہنس کر "سالی" سے ہنسی مذاق کررہا تھا مگر اس کی نگاہوں سے چھلکتی خباثت حوریہ کو جھلسائے دے رہی تھی۔ کچھ ہی فاصلے پر کھڑے ضمائر شاہ نے بڑے غور سے اس کے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھا تھا۔ سکندر شاہ کی فطرت سے بھی وہ بخوبی واقف تھا۔
"میرا خیال ہے یہ نیگ ویگ رہنے دیں۔" بالآخر اس سے ضبط نہ ہوسکا' بظاہر بڑے آرام سے مسکراتے ہوئے اس نے حوریہ کا ہاتھ سکندر شاہ کی گرفت سے نکالا تھا مگر اس کا خون کھول رہا تھا۔ حوریہ کو ضمائر شاہ کی مداخلت غیبی امداد لگی تھی۔ تبھی سکندر شاہ نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بہت سے نیلے ہرے نوٹ نکال کر اس کے سامنے کیے تھے جو اس نے لے کر ارد گرد موجود کزنز میں بانٹ دیے۔
"بی بی جان! مجھے آپ سے ایک بات کرنا تھی۔" مہندی کی تقریب کے اختتام پر جب کہ سب لوگ سونے کے لیے جاچکے تھے۔ وہ بی بی جان کے پاس چلی آئی۔
"ہاں کہو۔"
"وہ بی بی جان...... میں...... میں......"
"کیا بات ہے۔ کوئی مسئلہ ہے میری چندا؟" بی بی جان پریشان ہوگئیں۔
"دراصل بی بی جان' میں ضمائر شاہ سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔" اس کی بات پر بی بی جان کا دل دھک سے رہ گیا۔
"تم جانتی ہو کیا کہہ رہی ہو۔"
"بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔"
"اس کی وجہ؟"
"بس وہ مجھے پسند نہیں ہے۔" وہ پیر کے ناخن سے کارپٹ پر لکیریں کھینچنے لگی۔
"حوریہ! تم اتنی بے شرم کب سے ہوگئیں۔" بی بی جان نے اسے کڑے تیوروں سے گھورا۔
"اس میں بے شرمی کی کیا بات ہے۔ اپنی پسند ناپسند کا اظہار کرنا سب کا حق ہے۔"
"ناپسندیدگی کی کوئی وجہ بھی تو ہو۔ وہ پڑھا لکھا ہے۔ خوب صورت ہے۔ دیکھا بھالا ہے۔ کیا کمی ہے اس میں؟"
"میں...... میں کسی اور کو پسند کرتی ہوں۔" حوریہ کی بات پر بی بی جان فق چہرہ لیے اسے دیکھ کر رہ گئیں۔
"کون ہے وہ۔" کچھ دیر بعد وہ بولنے کے قابل ہوئیں۔
"میری فرینڈ کا کزن ہے۔ شمیل خان نام ہے اس کا۔ وہ بہت اچھا ہے۔ پلیز بی بی جان میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں ضمائر شاہ کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔" وہ ان کے قدموں میں بیٹھ گئی۔
"حوریہ! تم جانتی ہو بڑے شاہ کے فیصلے......"
"میں ان کے کسی فیصلے کو نہیں مانتی۔ خدا نہیں ہیں وہ۔" وہ ان کی بات کاٹ کر بولی۔
"پھر مجھ سے کیا چاہتی ہو؟" ان کی آواز میں شکستگی تھی۔
"یہی کہ میرا ساتھ دیں۔ شمیل اپنا رشتہ بھجوائے گا۔ آپ کو میرے حق میں بولنا ہوگا۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔
"تم جانتی ہو کہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔"
"بی بی جان! اپنی خوشی اپنے حق کے لیے میں ہر حد سے گزر جاؤں گی پھر نہ کہیے گا کہ......"
"حوریہ۔" بی بی جان نے درشتی سے اس کی بات کاٹی۔ "دھمکی مت دو' تعلیم نے تمہیں بدتمیز اور خود سر بنادیا ہے۔ اگر معلوم ہوتا تو کبھی تمہیں شہر نہ بھجواتے۔"
"بی بی جان! میں ہر کام آپ لوگوں کی رضامندی سے کرنا چاہتی ہوں' پلیز بی بی جان یہ میری زندگی کا معاملہ ہے۔"
"حوریہ تم جاکر سو جاؤ فی الحال شادی کے گھر میں بدمزگی پیدا مت کرو۔" بی بی جان نے اسے ٹالا۔ اس کے جانے کے بعد وہ سوچوں میں گھری رہیں۔ وہ اپنے آپ کو مشکل میں گھرا دیکھ رہی تھیں۔
آج بارات تھی۔ اس لیے صبح سے ہی حویلی میں چہل پہل تھی۔ حوریہ دن چڑھے تک سوتی رہی تھی۔ دوپہر بارہ بجے

بھی زبردستی بی بی جان کے اٹھانے پر اٹھی۔

"حوریہ اٹھ جاؤ۔ کچھ دیر بعد نکاح ہونے والا ہے۔"

"نکاح ابھی سے کیوں؟" وہ اٹھ بیٹھی۔

"بڑے شاہ کا حکم ہے۔ شاید وقت کی بچت ملحوظ ہے۔"

"وقت کی بچت۔" وہ ہنسی۔ "ہمیں کون سا بارات لے کر دوسرے شہر جانا ہے۔"

"اچھا فضول باتوں میں وقت ضائع نہ کرو۔ جلد تیار ہو کر آؤ۔ بی بی جان باہر چلی گئیں۔ حوریہ کو ایک خوش گوار سا احساس ہوا۔ بی بی جان کا موڈ بالکل نارمل تھا۔" اس کا مطلب ہے بی بی جان تکمیل کے معاملے میں میرا ساتھ دیں گی۔" اس سوچ کے ساتھ ہی خود بہ خود لبوں پر مسکراہٹ در آئی۔ شاور لے کر فریش ہونے کے بعد وہ دعا اور مریم کے پاس چلی آئی۔

"اٹھ گئیں محترمہ حوریہ شاہ۔" مریم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"رات دیر سے سوئی تھی ناں۔ ابھی بھی نیند پوری نہیں ہوئی۔" وہ دھم سے کاؤچ پر بیٹھ گئی۔

"شادی ہماری ہو رہی ہے اور نیندیں تمہیں چڑھی ہوئی ہیں۔" مریم نے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"ہاں مجھے ہی چڑھی ہوئی ہیں۔ تمہاری تو مارے خوشی کے آنکھ ہی بند نہ ہوئی ہوگی۔" اس نے مریم کو گدگدایا۔ دعا کے لبوں پر پھیکی سی مسکان ٹھہر گئی۔

"یہ دادا سائیں کو اس وقت نکاح کروانے کی کیا سوجھی۔ لگتا ہے انہیں تم لوگوں کی طرف سے کوئی خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔" وہ شرارت سے بولی تو مریم نے دھموکا جڑ دیا۔ دعا ان دونوں کی نوک جھونک کے دوران خاموش تماشائی بنی رہی۔

اسی لمحے نکاح کا شور اٹھا۔ بی بی جان، بادیہ بھابی، ماں جی، زرینہ پھوپو اور ان کے پیچھے پیچھے مرد حضرات داخل ہوئے۔ حوریہ سر پر دوپٹہ اوڑھ کر ایک طرف کھسک گئی۔ دعا اور مریم کا نکاح ہو گیا۔ مبارک سلامت کا شور اٹھا۔

بم تو اس وقت بلاسٹ ہوا جب نکاح کا فارم حوریہ کے سامنے رکھا گیا۔

"حوریہ شاہ ولد ولایت شاہ آپ کو ضمائر شاہ ولد عنایت شاہ کے نکاح میں بعوض حق مہر...... "حوریہ تو ہکا بکا نکاح خواں کی شکل دیکھ رہی تھی۔ اس نے ایک نظر ارد گرد دیکھا۔ ادا ضمائر، مہروز شاہ، زرینہ پھوپو، ماں جی، بی بی جان، بادیہ بھابی اور ولایت شاہ سب اس کی ہاں کرنے کے منتظر تھے۔ نکاح خواں اب تیسری بار دہرا رہا تھا۔ بی بی جان حوریہ کے قریب بیٹھ گئیں اور دھیرے سے اس کا ہاتھ دبایا۔ اس نے دزدیدہ نگاہیں ان کی طرف کیں۔ "نہیں، نہیں، نہیں" اس کا دل چیخ چیخ کر گواہی دے رہا تھا۔

"حوریہ بیٹے سائن کرو۔" پھوپا سائیں کی آواز پر اس نے لرزتے ہاتھوں سے قلم تھاما۔ دل میں دھکم پیل ہو رہی تھی۔ اس کے سینے میں حشر برپا تھا۔ اسے نہیں معلوم اس نے کس طرح سائن کیے تھے۔ صرف یہ یاد تھا کہ سائن کرتے ہی وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی اور بے دم ہو کر بی بی جان کی آغوش میں ڈھے گئی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو کچھ دیر خالی خالی نظروں سے چھت پر لگے فانوس کو گھورتی رہی۔ وہ اس وقت اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹی تھی۔

"شکر ہے تمہیں ہوش آیا۔" اس کی ماموں زاد زینب اس کے قریب ہی موجود تھی۔ حوریہ نے اٹھنا چاہا مگر یوں لگ رہا تھا جیسے جسم میں اٹھنے کی قوت ہی نہ ہو۔

"لیٹی رہو۔ میں تمہارے لیے جوس منگواتی ہوں۔" زینب اسے لیٹے رہنے کی تاکید کر کے باہر نکل گئی۔ اسے یاد آیا کہ اس کے ساتھ کیا ہو چکا تھا۔ تقدیر اس کے ساتھ یوں مذاق کرے گی ایسا تو اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

"بی بی جان یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔ کیا مائیں ایسی ہوتی ہیں؟" اس نے کرب کے عالم میں آنکھیں بھینچ لیں اور بے چینی سے تکیے پر سر پٹخا۔

"اٹھو حوریہ یہ جوس پی لو۔" زینب جوس لیے چلی آئی۔ حوریہ نے پھر بھی آنکھیں نہ کھولیں۔ "بھئی خوشی کے مارے بے ہوش ہونا تو سنا تھا۔ آج دیکھ بھی لیا۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں کہتی جوس کا گلاس بھرنے لگی۔ حوریہ نے کرب سے اسے دیکھا۔

"مجھے نہیں پینا۔" لہجہ آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا۔

"کیسے نہیں پینا اٹھو پانچ بج رہے ہیں۔ اپنے اندر کچھ انرجی پیدا کرو۔ ادا سلمان کی بارات لے کر نہیں جاؤ گی؟"

اسی لمحے سلمان اور بی بی جان اندر داخل ہوئیں۔

"حوریہ کیسی طبیعت ہے؟" سلمان اس کے قریب بیٹھ



گیا اور اپنا ہاتھ پیار سے اس کے سر پر پھیرا۔ بی بی جان دوسری طرف بیٹھ گئیں۔

"ٹھیک ہوں ادا۔" وہ بمشکل اٹھ کر بیٹھی۔ بہر حال اس کے اکلوتے پیارے بھائی کی شادی تھی اور وہ رنگ میں بھنگ نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔

"ٹھیک ہو تو جلد از جلد بستر چھوڑو اور تیاری کرو۔ آج کیا اپنے ادا کی جیب نہیں ہلکی کرنی؟" وہ بشاشت سے مسکرایا۔ بھائی کی محبت پر دل بھر آیا۔ بے اختیار اس کے سینے سے لگ کر سسک اٹھی۔ بی بی جان اس کے اس طرح رونے کی وجہ جانتی تھیں مگر پھر بھی مضطرب ہو اٹھیں۔

"ارے ارے رونے کیا ہوا حوریہ؟" وہ بھی پریشان ہو اٹھا۔

"لگتا ہے گھر چھوڑنے کا خیال اسے رلا رہا ہے۔" زینب نے لب کشائی کی۔

"لگی جانا تو ہر لڑکی کو ہوتا ہے اور تم ابھی سے کیوں رو رہی ہو۔ تمہاری رخصتی ابھی تھوڑی کر رہے ہیں ہم۔" سلمان نے پیار سے اس کا سر تھپکا۔ اس کی سسکیاں تھم چکی تھیں۔ اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"بی بی جان! اسے کچھ کھلائیں پلائیں تاکہ اس کی طبیعت سنبھلے۔ آخر کو رات کا فنکشن بھی تو اٹینڈ کرنا ہے۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"حوریہ۔" بی بی جان نے سلمان اور زینب کے جانے کے بعد اسے مخاطب کیا۔

"بی بی جان! یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔" وہ ان کی بات کاٹ کر واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ بی بی جان جانتی تھیں وہ ان سے بدگمان ہو گئی ہے مگر وہ خود اس بات پر حیران تھیں کہ بڑے شاہ نے اس طرح اچانک چند گھنٹے قبل بلا کر بچی کے نکاح کی اطلاع دی تھی۔ ہر چند کہ وہ اس فیصلے پر خوش تھیں مگر اس طرح اچانک سب کچھ ہو جائے گا یہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ حوریہ نے اپنی پسند کے بارے میں بتایا تھا تو انہوں نے بھی یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ فی الحال اس معاملے کو یہیں دبا رہنے دیا جائے۔ سلمان کی شادی کے بعد وہ خود طریقے سے ولایت شاہ سے بات کرنا چاہتی تھیں۔ حوریہ کی طرح وہ بھی اس تمام معاملے سے بے خبر تھیں مگر وہ ان سے بدگمان ہو چکی تھی۔ بی بی جان ایک سرد آہ بھرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

حوریہ بڑی مشکل سے خود کو شادی کی تقریب میں شرکت پر آمادہ کر سکی تھی۔ سیاہ جارجٹ کے سوٹ میں جس کے دوپٹے اور قمیص پر ہم رنگ موتیوں اور ریشم کا کام تھا۔ اس کا حسن سوگواریت لیے ہوئے تھا۔ شربتی آنکھوں میں کاجل کی لکیر اور شنگرفی لبوں پر براؤن لپ اسٹک، بالوں کو پونی میں مقید کر رکھا تھا۔ اس کی تیاری خاصی سادہ تھی۔ بی بی جان نے ٹوکنا چاہا تو وہ چیخ گئی۔ یہی بہت تھا کہ وہ فنکشن میں شرکت پر آمادہ ہو گئی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے رسموں میں حصہ لیا تھا۔ ادا سلمان سے نیگ لینے سے لے کر مریم کو حجلۂ عروسی میں پہنچانے تک وہ تمام رسموں میں پیش پیش رہی مگر ازلی شوخی اور آنکھوں کی جوت مفقود تھی۔ دعا کی رخصتی بھی ہو چکی تھی۔ سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے۔ وہ کوریڈور میں سے گزر کر اپنے کمرے میں جانا چاہتی تھی جب سامنے سے ضمائر شاہ آتا دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر اس کے قدموں میں تیزی آ گئی۔ سارا وقت وہ اس سے دور دور رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کمرے میں داخل ہوتی۔ وہ اس تک پہنچ چکا تھا۔

"سنا ہے تم آج خوشی کے مارے بے ہوش ہو گئی تھیں؟" گہری نگاہیں اسی پر مرکوز تھیں۔ حوریہ کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"اصولاً تو تمہیں آج سرخ رنگ کا لباس زیب تن کرنا چاہیے تھا مگر یہ سوگ کی علامت کیوں بنی پھر رہی ہو؟" اس کے سیاہ لباس پر چوٹ کی۔ حوریہ فی الوقت اس کی کسی بات کا جواب دینے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"میرا تو خیال تھا آج خاصی گرج چمک کا امکان ہے مگر یہاں تو بوندا باندی کے آثار بھی نہیں۔" ضمائر شاہ نے اس کے مسلسل خاموش رہنے پر چوٹ کی۔ حوریہ نے ایک تململاتی نظر اس پر ڈالی تو وہ خواہ مخواہ مسکرا دیا۔ حوریہ کلس کر رہ گئی۔

"ایسے مت دیکھو دل تو پہلے ہی بے ایمان ہوا چاہتا ہے مگر اصولوں اور روایتوں کے آگے مجبور ہوں۔" اس نے ایک گہری سانس لی۔ وہ اب کرتے کی سائیڈ والی جیب سے کچھ نکال رہا تھا۔ حوریہ نے سر جھٹک کر آگے بڑھنا چاہا مگر ہاتھ اس کی گرفت میں آ گیا۔ اس نے ہاتھ چھڑوانا چاہا تو وہ ہنس دیا۔ یوں جیسے کوئی کسی کی نادانی پر ہنستا ہے۔

"تم بھول رہی ہو کہ میں تم پر ہر قسم کا حق رکھتا ہوں۔" میرون مخملی ڈبیا میں سے نازک سی انگوٹھی نکال کر اس کے بائیں ہاتھ کی تیسری انگلی میں ڈال دی۔ یہ وہی انگوٹھی تھی جو حوریہ نے خود پسند کی تھی۔

"سنو، یہ انگوٹھی ہر دم تمہارے ہاتھ میں رہنی چاہیے۔" عجب دھونس بھرا انداز تھا۔ یہ دھمکی تھی یا خواہش وہ سمجھ نہ سکی تھی۔ ضمائر شاہ نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا اور خود آگے بڑھ گیا۔ حوریہ محض دانت پیس کر رہ گئی تھی۔ کپڑے چینج کر لینے کے بعد وہ بے دم سی ہو کر بستر پر ڈھے گئی تھی۔ تقدیر کی اس ستم ظریفی پر وہ اس قدر حیران تھی کہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا روئے یا شکوہ کرے۔ دفعتاً ہاتھ میں موجود انگوٹھی پر نظر پڑی۔ سات ہیروں سے سجی وہ انگوٹھی اس کے ہاتھ میں سج گئی تھی یا اس کا ہاتھ جگر جگر کرتے ہیروں کی بدولت جگمگا اٹھا تھا۔ ایک جھٹکے سے انگوٹھی اتار کر دور اچھال دی۔

"بی بی جان یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔" وہ تکیے میں منہ چھپا کر سسک اٹھی تھی۔

♥♥♥

"افوہ کیا مصیبت ہے۔" شمیل نے جھلا کر موبائل صوفے پر پھینکا تھا۔

"کیا ہوا؟" زوبی نے فائلر سے ناخن فائل کرتے ہوئے پوچھا۔

"دو دن سے ٹرائی کر رہا ہوں۔ اس کا موبائل مسلسل آف ہے۔"

"ہو سکتا ہے اس میں کوئی خرابی ہو۔"

"وہ آ کب رہی ہے؟"

"پتا نہیں۔ اس کے بھائی کی شادی ہے۔ جانے کتنے دن لگ جائیں۔" زوبی نے کندھے اچکائے۔ "ویسے شمیل تم خاصا وقت برباد کر چکے ہو اس کے ساتھ مگر ابھی تک ہاتھ کچھ بھی نہیں آیا۔"

"یہ تو تم مت کہو وہ پوری طرح میری اسیر ہو چکی ہے۔" اس کے لبوں پر شاطرانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"صالحہ آنٹی بھی کہہ رہی تھیں کہ بہت وقت لے لیا اس بار تم نے۔ اتنا وقت گزر گیا مگر ابھی تک ہمارے ہاتھ خالی ہیں۔"

"تم یہ بھی تو دیکھو۔ اتنی بڑی آسامی ہے۔ کچھ وقت تو لگے گا ناں بس ایک بار وہ میرے ہاتھ لگ جائے پھر دیکھنا وارے نیارے ہو جائیں گے۔"

"یہ تو ہے۔ شمیل جب تک تم حوریہ کے ساتھ انوالو ہو پلیز یہ غنا، فضہ، ثانیہ وغیرہ سے دور رہا کرو۔"

"کیوں؟"

"اس روز بھی شازمہ کو تمہارے ساتھ دیکھ کر وہ بگڑ گئی تھی۔ وہ تو میں نے یہ کہہ کر جان چھڑائی کہ تمہاری منہ بولی بہن ہے۔" زوبی نے قہقہہ لگایا تو شمیل کا قہقہہ بھی اس کے ساتھ شامل ہو گیا۔

"یار تم نے تو بہن بنا کر سارا مزا کرکرا کر دیا۔"

"تم نے وہ مثل نہیں سنی کہ مصیبت کے وقت تو گدھے کو بھی باپ بنانا پڑتا ہے۔" زوبی ناخن فائل کر چکی تھی۔ شمیل اب پھر سے موبائل پر حوریہ کا نمبر ٹرائی کر رہا تھا۔

"گدھی فون بند کیے بیٹھی ہے۔ کہیں مر مرا تو نہیں گئی؟" اس نے ایک بار پھر غصے سے سیل فون پٹخ دیا۔

"اتنا غصہ صحت کے لیے اچھا نہیں ہوتا۔" زوبی نے ایک ادا سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"کیا کروں؟ بور ہو گیا ہوں۔ ساری کی ساری اپنے اپنے کاموں پر لگی ہوئی ہیں۔ ٹینا آج کل دبئی والے کے ساتھ ہے تو ثانیہ یو کے ٹور پر ہے۔ ہونہہ۔" اس نے سر جھٹکا۔

"اور میں...... میں تو یہیں ہوں ناں، تمہارے پاس، تمہارے قریب۔" زوبی تمام فاصلے مٹا کر قریب آ گئی تھی۔ شمیل نے ایک کمینی سی نظر اس کے سراپے پر ڈالی۔ سلیولیس بلاؤز اور جینز میں وہ غضب ڈھا رہی تھی۔

"ویسے آئیڈیا برا نہیں۔" اس کو حصار میں لیتے ہوئے وہ خباثت سے مسکرایا تھا۔ ایسی ہی ایک خبیث مسکراہٹ زوبی کے لبوں پر بھی تھی۔

ولیمے کے بعد وہ دو دن اور رکی تھی اور پھر شہر جانے کی تیاری کرنے لگی تھی۔ ہر بات سے قطع نظر اسے ایگزامز کی فکر بھی تھی۔ جو سر پر کھڑے تھے۔ ادا ضماد کے ہمراہ وہ کراچی چلی آئی۔ جاتے سے اس نے بی بی جان سے ملنا بھی گوارا نہیں کیا تھا جس پر بی بی جان کا دل تڑپ اٹھا تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ حوریہ انہیں قصوروار سمجھتی ہے مگر سچ تو یہ تھا کہ حوریہ اور ضمائر کے



اچانک نکاح کا فیصلہ بڑے شاہ کا تھا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ انہوں نے خود اپنے کانوں سے بی بی جان اور حوریہ کے مابین ہونے والی گفتگو سنی تھی۔ وہ زنان خانے میں بہت کم آیا کرتے تھے مگر اس روز اتفاقاً ادھر سے گزر ہوا تو حوریہ کی آواز سن کر رک گئے تھے اور جو کچھ انہوں نے سنا تھا ان کا خون کھولانے کو کافی تھا۔ بڑی مشکل سے وہ خود پر ضبط کر پائے تھے۔ حوریہ کے لہجے سے بغاوت کی بو تو انہیں اسی روز آ گئی تھی۔ جب وہ دعا کا مقدمہ لڑنے ان کے پاس آئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اڑنے کے لیے پر پھیلاتی' بڑے شاہ نے اس کے پر ہی کاٹ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ تو رخصتی بھی ساتھ ہی کر دینا چاہتے تھے مگر ضمائر شاہ راضی نہیں ہوا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ حوریہ پہلے اپنی تعلیم مکمل کرے اور حیات شاہ کو اس کی بات ماننا پڑی تھی۔

سعدیہ یونیورسٹی سے لوٹی تو تب تک حوریہ آ چکی تھی۔

"ارے حوریہ کی بچی! اتنی جلدی آ گئیں' تمہیں تو کم از کم پندرہ روز بعد آنا تھا۔ اچھا بتاؤ بھائی کی شادی کیسی رہی؟ مریم اور دعا کیسی لگ رہی تھیں۔" وہ ایک ہی سانس میں بولے چلی گئی۔ حوریہ بنا جواب دیے بیٹھی رہی' تبھی سعدیہ کی نظر اس کے ستے ہوئے چہرے پر پڑی۔ نہ آنکھوں کی وہ چمک نہ پہلے کی سی گرم جوشی۔ سعدیہ اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"حوریہ کیا بات ہے۔ خیریت تو ہے ناں؟" اور اسے کسی ایسے ہی مہربان کندھے کی ضرورت تھی جس پر سر رکھ کر وہ دل کا غبار نکال سکتی۔ کافی دیر وہ سعدیہ کے شانے سے لگی آنسو بہاتی رہی جس پر سعدیہ بری طرح پریشان ہو گئی۔

"حوریہ! بس کرو پلیز بتاؤ کیا بات ہے؟" اس نے پانی کا گلاس بھر کر اسے دیا۔ حوریہ نے دو گھونٹ بھر کر گلاس رکھ دیا۔

"سعدیہ سب ختم ہو گیا۔ میری آرزوئیں' میرے خواب' میری چاہت سب مٹی میں مل گئے۔"

"حوریہ کھل کر بتاؤ آخر ماجرا کیا ہے؟"

"وہ جیت گیا سعدی' وہ جیت گیا۔ فتح بالآخر اس کا مقدر ٹھہری۔ میں ہار گئی اور مطلق العنان مرد کی آمریت جیت گئی۔ اس نے ثابت کر دیا کہ عورت چاہے لاکھ سر پٹخ لے چلا لے مگر ہو گا وہی جو اس کے اندر چھپا حاکمیت پسند مرد چاہے گا۔"

"کون جیت گیا ہے؟"

"ضمائر شاہ۔" وہ چلائی۔ "وہ جیت گیا ہے مگر...... مگر میں بھی حوریہ شاہ ہوں۔ اس کی یہ فتح شکست میں نہ بدل دی تو......"

"حوریہ ریلیکس تم تو ادا سلمان کی شادی میں گئی تھیں پھر......"

"سعدیہ ام...... میں...... میرا نکاح ضمائر شاہ سے کر دیا گیا ہے۔" اس کی آواز بھرا گئی۔ ایک لمحے کو تو سعدیہ بھی خاموش ہو گئی۔

"اچانک! میرا مطلب ہے کیا پہلے سے طے تھا یہ سب؟"

"ہو گا یقیناً ہو گا اور یہ سب اسی مکار شخص کا کیا دھرا ہے۔"

"حوریہ! یہ سب مقدر کے کھیل ہیں۔ ہو سکتا ہے اسی میں خدا کی کوئی مصلحت ہو۔" سعدیہ نے رسان سے سمجھایا۔

"نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "مجھے یہ سب قبول نہیں ہے۔"

"مگر اب کیا ہو سکتا ہے؟"

"بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ صرف نکاح ہوا ہے' رخصتی نہیں۔" دوسرے ہی لمحے وہ شمیل خان کا نمبر ڈائل کر رہی تھی۔

"ہیلو ہاں شمیل' حوریہ بول رہی ہوں۔" دوسری طرف حوریہ کی آواز سنتے ہی وہ کھل اٹھا تھا۔

"زیادہ دن تو نہیں ہوئے' اچھا۔" وہ کسی بات پر کھلکھلائی۔ "اوہ کم آن' چھوڑو یہ سب اچھا سنو کل لنچ میں تمہارے ساتھ کروں گی۔ ہاں وہیں او کے سی یو۔" وہ اینڈ کرتی اپنی وارڈروب کی طرف بڑھ گئی۔

"حوریہ تم یہ سب ٹھیک نہیں کر رہی ہو۔"

"پلیز سعدیہ چھوڑو یہ باتیں۔ کیا صحیح ہے کیا غلط۔ یہ میں بہتر جانتی ہوں۔" وہ چینج کرنے واش روم میں گھس گئی۔ سعدیہ تاسف سے سر ہلا کر رہ گئی۔

اسے ہوٹلنگ وغیرہ بالکل پسند نہیں تھی مگر وہ محض ضد میں آ کر شمیل خان کے ہمراہ لنچ پر آ گئی تھی۔ دو تین گھنٹے اس کے ساتھ گزارے مگر پھر بھی اسے اپنے نکاح کے بارے میں نہ بتا سکی۔ واپس آئی تو سعدیہ کمرے میں موجود تھی۔ سعدیہ کو دیکھ کر اسے اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس ہوا۔

''سعدی! آئی ایم سوری۔'' اس کے شانوں پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے وہ گویا ہوئی تو سعدیہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''ارے کس بات کی سوری؟''

''اپنے کل کے رویے کی سوری۔ دراصل میں...... میں کیا کروں سعدیہ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''حوریہ! دیکھو میں تمہاری دوست ہوں۔ تمہارا بھلا ہی چاہوں گی۔ حقیقت کو قبول کرنے کی کوشش کرو ہوسکتا ہے ضمائر شاہ کے ساتھ تمہاری لائف اچھی گزر جائے۔''

''یعنی اپنی زندگی داؤ پر لگا دوں۔ یہ رسک کیسے لے لوں میں؟''

''اور شمیل خان اس کے بارے میں کتنا جانتی ہو تم کیا وہ رسک نہیں ہوگا؟'' سعدیہ کے کہنے پر حوریہ خاموش رہ گئی۔

''حوریہ تم برا مت ماننا۔ مجھے تمہارا اس سے ملنا جلنا پسند نہیں۔ تم ایک عزت دار خاندان کی لڑکی ہو۔ یہ سب تمہیں زیب نہیں دیتا۔''

''اوکے اب یہ ملنا جلنا بند اور کل سے پڑھائی شروع۔'' وہ محض سعدیہ کا دل رکھنے کی خاطر مسکرائی۔ فائنل سمسٹر تھا۔ وہ ایگزامز کی تیاری میں لگ گئی۔ شمیل سے کبھی کبھار فون پر بات ہو جاتی تھی۔ اس کا اصرار بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ جلد از جلد شادی کرنا چاہتا تھا۔ زوبی ایگزامز دیے بغیر ہی ناروے چلی گئی تھی۔ اس کے کسی کزن کی شادی تھی۔ یہ اطلاع اسے شمیل نے دی تھی۔ ایگزامز کے بعد حوریہ نے شمیل خان کو سب کچھ بتا دینے کا فیصلہ کیا۔ اسی لیے وہ اس کے ساتھ لنچ پر چلی آئی۔

''جان بہاراں، رشک چمن، غنچہ دہن، سیمیں بدن، اے جان من۔'' حسب معمول اسے دیکھتے ہی وہ شروع ہو گیا تھا۔

''کم آن شمیل کبھی تو سیریس ہو جایا کرو۔''

''میں تو پہلے دن سے سیریس ہوں۔'' وہ مسکرایا۔

''شمیل! مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

''سب باتیں گھر چل کر ہوں گی۔''

''گھر؟''

''ہاں آج میں تمہیں اپنے گھر لے جاؤں گا۔''

''مگر کس لیے؟''

''میں چاہتا ہوں وہ گھر جہاں تم میرے ساتھ رہو گی۔ اسے دیکھ لو۔ میں گھر نئے سرے سے ڈیکوریٹ کروانا چاہتا ہوں اور اس کے لیے تمہارے مشورے درکار ہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر......''

''اگر مگر چھوڑو تم بس اٹھو۔'' وہ آج ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ صالحہ آنٹی نے لاسٹ وارننگ دی تھی۔

''وہ لنچ؟''

''وہ بھی گھر چل کر کریں گے۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''ہیلو۔'' حوریہ اٹھنا ہی چاہتی تھی جب مانوس آواز پر چونک گئی۔ سر اٹھا کر دیکھا تو ایک لمحے کو ساکت رہ گئی۔ اپنی تمام تر وجاہتوں سمیت ضمائر شاہ سامنے کھڑا تھا۔ شمیل کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

''مجھے ضمائر شاہ کہتے ہیں اور آپ؟'' وہ شمیل سے مخاطب ہوا۔

''شمیل خان۔'' وہ سنبھل کر گویا ہوا۔

''آپ لوگ غالباً کہیں جا رہے تھے۔ کیوں حوریہ ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں؟'' اس نے ایک سلگتی ہوئی نظر حوریہ پر ڈالی مگر لبوں پر وہی دھیما سا تبسم تھا۔

''حوریہ! ہو از ہی؟'' شمیل نے دریافت کیا۔

''حوریہ نے آپ کو نہیں بتایا۔ ویسے بہت قریبی رشتے دار ہیں ہم۔'' جواب ضمائر شاہ نے دیا۔ ''چلیں حوریہ۔'' وہ حوریہ کا ہاتھ تھام کر آگے بڑھ گیا۔ یہ سب اتنا اچانک تھا کہ شمیل کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ ملا۔ اتنے لوگوں کے سامنے حوریہ مزاحمت بھی نہ کر سکی تھی۔ ضمائر نے کار کا فرنٹ ڈور کھول کر حوریہ کو تقریباً دھکیلا تھا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' وہ چلائی مگر ضمائر شاہ ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے سکون سے ڈرائیو کرتا رہا۔

''کہاں لے جا رہے ہیں مجھے؟'' وہ پھر بھی نہ بولا۔

''میں کہتی ہوں ضمائر شاہ گاڑی روکیں۔'' مگر وہاں مطلق اثر نہ ہوا۔ حوریہ نے چلتی گاڑی کا دروازہ کھولنا چاہا تو ضمائر شاہ نے پھرتی سے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا۔ گاڑی وسیع و عریض بنگلے کے پورٹیکو میں ہی جا کر رکی تھی۔ حوریہ کو بازو سے پکڑ کر تقریباً گھسیٹتے ہوئے وہ اندر لایا تھا۔ سب ملازم ہکا بکا یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ ضمائر نے اپنے بیڈ روم میں ہی جا کر دم لیا اور اسے بیڈ پر پٹخ دیا۔



''یہ کیا بے ہودگی ہے؟'' وہ چلائی۔

''کتنی بے شرم ہو حوریہ شاہ۔ ایک غیر مرد کے ساتھ ہوٹلنگ کرنا کیا تمہیں زیب دیتا ہے؟''

''شٹ اپ زبان سنبھال کر بات کرو۔''

''یو شٹ اپ۔'' اس کے قریب آ کر وہ دہاڑا۔ ''تم کم از کم میری آنکھوں میں دھول نہیں جھونک سکتیں۔ میں سلمان شاہ نہیں ہوں۔ سمجھیں۔'' وہ اٹھ کر باہر نکل گیا اور دروازہ بھی لاک کر گیا۔ حوریہ دانت پیس کر رہ گئی۔

''بی بی نے کھانا کھایا؟'' اس نے ملازمہ سے دریافت کیا۔

''نہیں شاہ جی، وہ تو دروازہ ہی نہیں کھول رہیں۔''

''تم کھانا گرم کر کے لاؤ۔'' وہ ملازمہ کو ہدایات دیتا آگے بڑھ گیا۔ دوپہر ایک بجے سے وہ کمرے میں بند تھی اور اب رات کا ڈیڑھ بجنے والا تھا۔ حوریہ نیم غنودگی کے عالم میں بیڈ پر سر ٹکائے بیٹھی تھی جب کلک کی آواز سماعتوں سے ٹکرائی۔ دوسرے ہی لمحے ضمائر شاہ اندر داخل ہو رہا تھا۔ حوریہ نے ایک نفرت بھری نگاہ اس پر ڈالی۔

''کھانا کیوں نہیں کھایا تم نے؟'' وہ کوٹ اتار کر ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرنے لگا۔

''نہیں کھاؤں گی میں۔'' وہ بیڈ سے اتر کر چلائی۔

''ایز یو وش۔ میں تو تمہارے ہی بھلے کے لیے کہہ رہا تھا۔'' وہ نائٹ سوٹ اٹھا کر واش روم میں گھس گیا۔ اتنے میں ملازمہ کھانے کی ٹرالی لیے چلی آئی۔ حوریہ جلے پیر کی بلی کی طرح چکر کاٹ رہی تھی۔

''تم آخر چاہتے کیا ہو؟'' جونہی وہ واش روم سے باہر آیا حوریہ اس کی طرف لپکی۔

''دھیرج دھیرج۔ پہلے کھانا کھا لو۔ پھر بتاؤں گا میں کیا چاہتا ہوں۔ تم نے غالباً صبح کا ناشتہ ہی کیا ہوا ہے۔''

''نہیں کھانا مجھے کچھ بھی۔ پہلے میری بات کا جواب دو۔'' وہ اس کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہو گئی۔ ضمائر شاہ نے ایک بھرپور استحقاقانہ نگاہ اس پر ڈالی۔

''جواب...... ہاہا۔'' اس نے گویا محظوظ خیزی سے کہتے ہوئے اس کی لٹ کو دھیرے سے چھوا تو وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔ ایک لمحہ لگا تھا اسے اس کی نگاہوں کا مفہوم جاننے میں۔

''میرا خیال ہے کھانا کھا لیا جائے۔ میں نے بھی دوپہر سے کچھ نہیں کھایا۔'' ضمائر نے ٹرالی گھسیٹی۔ حوریہ بنا کوئی جواب دیے بیٹھ گئی۔ چند لقمے بہ مشکل زہر مار کیے۔ کھانا کھانے کے بعد ضمائر شاہ بستر پر دراز ہو گیا۔ اسے اس طرح لیٹتے دیکھ کر حوریہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''تت...... تم یہاں سوؤ گے؟''

''آف کورس، یہ میرا بیڈ روم ہے۔''

''تو پھر میں کہاں سوؤں گی؟''

''میرا خیال ہے تمہارے اور میرے درمیان جو رشتہ ہے اس کے بعد کسی وضاحت کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔''

''واٹ ڈو یو مین؟''

''اتنی بھولی تو نہیں ہو حوریہ شاہ۔'' وہ اٹھ کر اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔ ''تم بیوی ہو میری۔'' اس کے شانے پر ہاتھ رکھنا چاہا تو وہ ایکدم پیچھے ہٹی۔ ''کم آن حوریہ، تم اتنی نادان تو نہیں ہو۔'' وہ اس کی طرف بڑھا تو حوریہ نے پھلوں کی ٹوکری میں سے چاقو اٹھا لیا۔

''ضمائر شاہ۔ وہیں رک جاؤ اگر ایک قدم بھی اور بڑھایا تو میں اپنے آپ کو ختم کر لوں گی۔''

''یہ کیا بے وقوفی ہے حوریہ۔'' وہ غرایا۔

''تمہیں اپنی ہوس ہی پوری کرنی تھی تو......''

''شٹ اپ۔'' اس کی بات پوری ہونے سے قبل ہی ضمائر کا ہاتھ اٹھ گیا۔ وہ ضبط نہیں کر سکا تھا حوریہ ایک لمحے کو ساکت رہ گئی۔

''تم مجھے اس قدر گرا ہوا شخص سمجھتی ہو۔ حوریہ شاہ تمہارے جملہ حقوق میرے نام محفوظ ہیں۔ چاہوں تو ابھی تمہارا یہ غرور اور اکڑ خاک میں ملا کر رکھ دوں اور مجھے ایسا کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ سماج، قانون اور نہ ہی شریعت۔'' وہ دہاڑا۔

''اچھا اتنے ہی شریف ہو تو مجھے کیوں اغوا......''

''تم کیا سمجھتی ہو میں اندھا ہوں یا میرے پاس عقل نہیں ہے۔'' ضمائر نے اس کی بات کاٹی۔ ''یہ مت سمجھنا کہ میں تمہاری حرکتوں سے بے خبر ہوں۔ ایک آوارہ شخص کی خاطر تم اپنے خاندان کی عزت داؤ پر لگانے چلی تھیں۔'' ضمائر نے دائیں ہاتھ سے اس کا چہرہ سختی سے تھام کر اپنے قریب کیا۔ ''جب تک میں زندہ ہوں، تمہارا پیچھا نہیں چھوڑوں گا۔

سمجھیں۔'' ایک جھٹکے سے اسے چھوڑا۔

''مجھے نفرت ہے تم سے۔ تمہارے ساتھ رہ کر میں اپنی زندگی برباد نہیں کرنا چاہتی۔'' وہ چلائی۔

''حوریہ شاہ تم مجھے چیلنج کر کے سنگین غلطی کر رہی ہو۔ میں تمہیں مار تو سکتا ہوں مگر چھوڑ نہیں سکتا۔''

''مجھے تم جیسے آوارہ اور گھٹیا شخص کی ضرورت نہیں ہے۔ تم جیسا تنگ نظر روایتی فیوڈل لارڈ' جس کی نظر میں عورت محض ایک کھلونا ہے' جس کے نزدیک عورت کی اوقات جوتی کے برابر ہے۔ میں تھوکتی ہوں ایسے شخص کی رفاقت پر اور جسے تم آوارہ کہہ رہے ہو۔ تم سے لاکھ درجے بہتر ہے۔ عورت کی عزت کرنا جانتا ہے۔ عورت کا مقام جانتا ہے۔ وہ ایک سیلف میڈ انسان ہے۔ تمہاری طرح بگڑا رئیس زادہ نہیں ہے۔ تم آخر ہو کیا۔ باپ دادا کی جائیداد پر اکڑنے والے تمہارے پاس ہے کیا؟'' حوریہ کا لہجہ بے حد نفرت انگیز تھا۔

ضمائر شاہ لب بھینچے اس کی تقریر سن رہا تھا۔ زہر میں ڈوبا ایک ایک لفظ ضمائر شاہ کے لہو میں غصہ بن کر دوڑ رہا تھا۔ وہ بنا کچھ کہے حوریہ پر ایک سلگتی نظر ڈالتا باہر نکل گیا۔ حوریہ کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''دادا سائیں! ہم آج ہی آ رہے ہیں۔'' وہ حیات شاہ سے فون پر بات کر رہا تھا۔ اس نے انہیں کہہ دیا تھا کہ وہ جلد از جلد حوریہ کی رخصتی چاہتا ہے۔ حیات شاہ جہاندیدہ شخص تھے۔ مزید باز پرس یا کوئی نکتہ اعتراض اٹھانے کی بجائے انہوں نے اس کی بات مان لی تھی۔ گھر میں انہوں نے سب کو کہہ دیا تھا کہ ایک ہفتے کے اندر اندر وہ حوریہ کی رخصتی کر رہے ہیں۔

حیات شاہ سے بات کرنے کے بعد اس نے حوریہ کے کمرے کی طرف رخ کیا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی سو کر اٹھی تھی جب کہ ضمائر شاہ نے ساری رات کانٹوں پر بسر کی تھی۔ رات ہی رات میں اس نے سارے پروگرام فائنل کر کے حیات شاہ سے بھی بات کر لی تھی۔

''نیچے آؤ' میں گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' تحکمیہ انداز میں کہتا وہ واپس مڑ گیا۔ اس نے حوریہ کو کچھ بھی پوچھنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ خلاف توقع وہ دس منٹ بعد ہی چلی آئی۔ ضمائر نے فرنٹ ڈور کھول دیا۔ وہ بیٹھ گئی اور ایک نظر ضمائر کے چہرے پر ڈالی۔ اس کے چہرے پر خاصے پتھریلے سے تاثرات تھے۔

''اب کہاں لے جا رہے ہو مجھے؟'' کچھ دیر بعد وہ گویا ہوئی مگر دوسری طرف جامد خاموشی تھی۔ اسے کچھ کچھ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ حویلی کی طرف جا رہے تھے۔ ''تو حوریہ بی بی سب کچھ ختم ہو گیا۔'' اس نے تھک کر شکست خوردہ انداز میں سیٹ کی بیک پر سر ٹکا دیا۔ ضمائر خاصی رش ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ حوریہ نے دیکھا اس کے تیور خاصے جارحانہ تھے۔ تین چار گھنٹے کے سفر میں اس نے ایک بار بھی لب کشائی نہ کی تھی۔ پیشانی ہنوز شکن آلود تھی۔ حویلی پہنچتے پہنچتے دوپہر کے بارہ بج گئے تھے۔ حوریہ کا لہجہ بجھا بجھا تھا اور ضمائر شاہ بھی کچھ خفا خفا دکھائی دیتا تھا۔ سوائے حیات شاہ کے باقی سب ان دونوں کے اس عجیب وغریب رویے پر پریشان کم اور حیران زیادہ تھے۔ بی بی جان کا ماتھا تو تب ہی ٹھنکا تھا جب حیات شاہ نے حوریہ کی رخصتی کی اطلاع دی تھی اور اب حوریہ کا ستا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ سوچ میں پڑ گئی تھیں۔ مریم البتہ بے حد خوش تھی۔ اپنے چہیتے بھائی کی شادی کی تیاریوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی تھی۔

حوریہ کو مایوں بٹھا دیا گیا تھا۔ حوریہ نے اپنی شکست تسلیم کر کے ہر طرح کی مزاحمت ترک کر دی تھی اور اپنے کمرے میں مقید ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ ضمائر شاہ سے اس کا ٹکراؤ ہو۔ ''چلو کچھ دن تو اس کی صورت دیکھے بغیر گزر جائیں گے۔'' گھر والوں نے اس کے گریز کو شرم سے تعبیر کیا تھا۔ گھر مہمانوں سے بھر چکا تھا۔ دعا مہندی سے ایک دن پہلے ہی آئی تھی۔

''کیسی ہو دعا؟''

''تمہیں کیسی لگ رہی ہوں؟'' اس کے یاسیت بھرے لہجے پر حوریہ نے ایک نظر اس کی بجھی بجھی آنکھوں پر ڈالی جن کی جوت ماند پڑ چکی تھی۔ آنکھوں کے گرد حلقے نظر آنے لگے تھے۔

''ادا سکندر کیسے ہیں؟''

''کیا تم نہیں جانتیں کہ وہ کیسا ہے؟''

''دعا! ہم عورتیں محض کٹھ پتلیاں ہیں جو ان مطلق العنان مردوں کے اشاروں پر ناچنے کے لیے پیدا ہوئی ہیں۔ ہماری زندگی ہماری نہیں ہے۔ ہماری زندگیوں کے اہم فیصلے ہم سے



پوچھے بغیر کر دیئے جاتے ہیں۔'' دعا چونک کر حوریہ کی شکل دیکھنے لگی۔

''حوریہ! کیا تم ادا ضمائر سے شادی پر خوش نہیں ہو؟'' دعا کے پوچھنے پر حوریہ نے ایک خاموش نگاہ اس پر ڈالی پھر ایک طویل خاموشی کے بعد دھیرے سے نفی میں سر ہلا کر آنکھیں موند لیں۔ ''ایسی کوئی بات نہیں۔''

''اگر خوش ہو تو اس طرح نظریں کیوں چرا رہی ہو۔ بولو حوریہ۔'' دعا نے اس کے چہرے کا رخ اپنی طرف کیا۔

''فرض کرو میں کہتی ہوں کہ میں خوش نہیں ہوں تو پھر..... کیا کر لو گی تم۔ کیا کر سکتی ہو تم؟ رکوا دو گی یہ شادی؟ نہیں دعا ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اپنی مرضی سے سانس تک نہیں لے سکتے۔ تمہاری اپنی مثال تمہارے سامنے ہے۔ کتنا لڑی تھی میں تمہارے لیے' کچھ ہوا؟ نہیں ناں۔''

''ادا ضمائر اور سکندر شاہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یہ بات تم بھی جانتی ہو۔'' دعا کی بات پر وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

''اپنا بھائی سبھی کو آب زم زم سے دھلا ہوا لگتا ہے۔ کیا تم یہ جانتی ہو کہ اچانک دادا سائیں کو رخصتی کا خیال کیوں آ گیا۔ اس لیے کہ تمہارا شریف النفس بھائی زبردستی مجھے اپنے گھر لے گیا تھا اور..... خیر چھوڑو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔''

''دعا! تم یہاں بیٹھی ہو اور باہر تمہاری ساس صاحبہ نے ڈھونڈیا مچائی ہوئی ہے۔'' اسی لمحے مریم اندر داخل ہوئی تھی۔

''اور ہو نوائی تم بھی کچھ دیر کو باہر آ جاؤ۔ ایک ہفتے سے اندر قید ہو۔ دم نہیں گھٹتا تمہارا؟'' مریم مسکرائی۔

''جب اندر گھٹن ہو تو باہر کی گھٹن محسوس نہیں ہوتی۔'' وہ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہ سکی۔ ''نہیں میں ٹھیک ہوں۔'' حوریہ کے لہجے پر مریم کندھے اچکاتی باہر نکل گئی۔

''تو بالآخر تم جیت گئے ضمائر شاہ' تمہاری بل کھاتی انا کی تسکین ہو ہی گئی۔ جو کہا وہ کر دکھایا۔ میں جو اس زعم میں تھی کہ اس حویلی کی روایتوں کو بدل ڈالوں گی' میں بھی ہار گئی اور اب شاید ساری زندگی مجھے ایک بے بس چڑیا کی طرح تمہاری قید میں رہنا ہو گا۔'' آہٹ پر اس کی سوچیں منتشر ہوئی تھیں۔ اس کے سینے میں دھڑکتا دل پوری قوت سے سکڑ کر پھیلا تھا۔ جانے اب وہ اس کا کیا حشر کرتا۔ میرون' ریڈ اور اورنج کنٹراسٹ کا عروسی لباس اس کے وجود پر سج کر اپنی قیمت بڑھا رہا تھا۔ شیروانی کے بٹن کھولتے ہوئے ضمائر شاہ نے ایک سرسری سی نظر اس پر ڈالی۔ اس کا یہ روپ' یہ سنگھار' عارضوں پر سایہ فگن گھنیری پلکیں' لرزتے لب' صبیح پیشانی پر دمکتا ٹیکا' کلائیوں میں پڑے موتیے کے گجرے' کچھ بھی تو اسے متاثر نہیں کر رہا تھا۔ کتنا انتظار تھا اسے اس دن کا اور اب جب کہ وقت اس کی دسترس میں تھا تو دل میں وہ جذبات ہی نہ رہے تھے۔ ارمانوں پر گویا اوس پڑ گئی تھی اور احساسات منجمد ہو گئے تھے۔ وہ حوریہ کے گریز کو شرم سمجھتا رہا۔ وہ سمجھتا تھا کہ حوریہ دعا کی سکندر سے شادی والے فیصلے کی وجہ سے گھر کے سب مردوں سے ناراض تھی مگر اب یہ جانا تھا کہ وہ تو اس سے نفرت کرتی تھی۔ اس کے دل میں تو وہ محبت ہی نہ تھی جو ایک لڑکی کے دل میں اپنے منگیتر کے لیے ہوتی ہے۔ ان تمام باتوں سے قطع نظر جو بات ضمائر شاہ کے خون کو کھولائے دے رہی تھی وہ تھی حوریہ کا تکمیل خان کی طرف بڑھنا۔ ضمائر شاہ کو اپنی شدید توہین محسوس ہو رہی تھی کہ وہ اسے ریجیکٹ کر کے ایک دوسرے مرد کی طرف بڑھی تھی۔ اپنے آپ پر بمشکل قابو پاتا وہ پلٹ کر ڈریسنگ روم میں گھس گیا۔ کچھ دیر بعد وہ باہر آیا تو نائٹ سوٹ میں تھا۔ بنا کچھ کہے وہ لائٹ آف کر کے بیڈ کے دوسرے کونے پر دراز ہو گیا۔ کمبل سر تک اوڑھ لیا۔ ایک دلہن کے لیے اس سے بڑی تذلیل کیا ہو گی کہ اس کے شوہر نے نظر بھر کر اسے دیکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ حوریہ نے ایک تنفر بھری نظر اس پر ڈالی جو اس کی جانب پشت کیے لیٹا تھا۔ وہ کپڑے چینج کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ چوڑیوں کی کھنکناہٹ' جھمکوں اور پازیبوں کا ارتعاش کمرے کے سکوت میں دراڑیں ڈال رہا تھا۔ مگر کچھ بھی ضمائر شاہ کے پتھر دل کو موم کرنے میں ناکام رہا تھا۔ اس کے دل میں کسی قسم کا گداز' کوئی شوریدہ سری پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اسے کچھ دیر بعد محسوس ہوا کہ بیڈ کا دوسرا کونہ بھی آباد ہو چکا ہے اور کسی نے یہ سچ ہی کہا ہے کہ نفرت میں بہت طاقت ہوتی ہے۔ یہ چاہے تو پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر ڈالے اور چاہے تو موم کو لوہا بنا ڈالے۔

ولیمے کی تقریب کے دوسرے دن ہی ضمائر شاہ شہر چلا گیا تھا۔ جواز یہ بنایا تھا کہ نیا نیا بزنس ہے جو توجہ چاہتا ہے۔

''بزنس نیا ہے تو شادی بھی تو نئی ہے۔ کیا نئی نویلی دلہن کو

توجہ نہیں چاہیے۔" ہادیہ بھابی کی بات پر وہ مسکرا بھی نہ سکا تھا۔ حیات شاہ نے مصلحتاً حوریہ کو ضمائر شاہ کے ساتھ شہر نہیں جانے دیا تھا۔ وہ خود بھی نہیں جانا چاہتی تھی۔ یہاں کم از کم کوئی بات کرنے والا تو تھا۔ وہاں شہر میں وہ جامد خاموشی میں نہیں رہ سکتی تھی۔ ان دو دنوں میں ضمائر شاہ نے ضرورتاً بھی اس سے بات نہیں کی تھی۔ "ضمائر شاہ اگر تم اس انتظار میں ہو کہ میں تمہارے آگے روؤں گی' گڑگڑاؤں گی۔ تو یہ تمہاری بھول ہے۔ انا اگر تم میں ہے تو مجھ میں بھی ہے۔ میں ساری زندگی یونہی گزار دوں گی مگر پیش قدمی کبھی نہیں کروں گی۔" ضمائر شاہ جا رہا تھا۔ وہ غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے سوچ رہی تھی۔ ضمائر کی گاڑی حویلی کا گیٹ کراس کر گئی مگر اس کی نظروں کا زاویہ نہ بدلا۔

"اے ادا جا چکے ہیں۔ واپس آ جاؤ۔" مریم نے ٹہوکا دیا تو وہ چونکی۔ ماں جی اور بی بی جان کے سامنے خفت محسوس کرنے لگی اور پلٹ کر اندر چلی گئی۔ زرینہ پھوپھو نے اس کی شادی کی خوشی میں دعوت کی تھی۔ ضمائر نے مصروفیت کا کہہ کر معذرت کر لی ساتھ ہی کہہ دیا کہ باقی سب چلے جائیں۔ وہ آنے کی کوشش کرے گا۔

"لو بھلا دولہا کے بغیر کیسی دعوت۔ یہ لڑکا بھی باؤلا ہے۔" ماں جی نے کہا۔

"بھابی! ضمائر آ جائے تو دوبارہ دعوت کر لوں گی مگر اب آپ سب نے ضرور آنا ہے۔"

گھر کے سب افراد دعوت پر مدعو تھے۔ دعا ملازموں کو ساتھ لگائے کچن کا انتظام سنبھالے ہوئے تھی۔

"دعا! بیٹے اب تم بھی کپڑے بدل لو۔ صبح سے کام میں لگی ہو۔" زرینہ پھوپھو کے کہنے پر وہ سر ہلاتی اپنے کمرے کی طرف چل پڑی۔ حوریہ اس کے ساتھ ہو لی۔

"تم کیسی ہو حوریہ؟"

"ٹھیک ہوں۔" وہ مختصر جواب دے کر ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی اشیاء کو خوامخواہ اٹھا کر دیکھنے لگی۔ شاید وہ دعا کے سوالوں سے بچنا چاہ رہی تھی۔

"ادا ضمائر کیسے لگے تمہیں؟"

"ہوں۔ اچھے ہیں۔ دعا تم شاور لے لو میں تمہارے کپڑے نکالتی ہوں۔" اس نے سرعت سے بات بدل دی۔

دعا مزید کچھ پوچھنے کا ارادہ ترک کر کے واش روم میں چلی گئی۔ حوریہ وارڈ روب کھولے کھڑی تھی جب سکندر شاہ اندر داخل ہوا۔ حوریہ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک در آئی۔ لبوں پر شاطرانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

"زہے نصیب' زہے نصیب۔" سکندر کی آواز پر وہ یکلخت پلٹی تھی۔

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

شعر پڑھتے ہوئے وہ اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

"السلام علیکم ادا سکندر۔" اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے وہ بہ مشکل گویا ہوئی۔

"ہائے۔" سکندر نے ایک سرد آہ بھری۔ "تمہارے منہ سے یہ ادا اور بھائی جیسے الفاظ بالکل اچھے نہیں لگتے مجھے۔" نچلے لب کا ایک کونہ دانتوں میں دبائے وہ نظریں اسی پر گاڑے کھڑا تھا۔ حوریہ کو اس کی نگاہیں آر پار ہوتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ وہ جلد از جلد وہاں سے ہٹ جانا چاہتی تھی۔ اس نے باہر کی طرف قدم بڑھائے تو وہ راہ میں حائل ہو گیا۔

"اب ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ ابھی تو نظروں کی پیاس بھی نہیں بجھی۔" اس کے گھٹیا انداز پر حوریہ سلگ کر رہ گئی۔

"ادا سکندر شرم آنی چاہیے آپ کو۔"

"شرم ہاہاہا۔" اس نے قہقہہ لگایا۔ "تمہیں دیکھ کر سب شرم لحاظ بھول جاتا ہوں۔" اس نے حوریہ کا ہاتھ تھام لیا۔ حوریہ نے ہاتھ کھینچنا چاہا مگر گرفت مضبوط تھی۔ اسی لمحے دعا واش روم کا دروازہ کھول کر باہر آئی۔ سکندر شاہ نے گڑبڑا کر اس کا ہاتھ چھوڑا۔ حوریہ سکندر پر ایک قہر آلود نگاہ ڈالتی باہر نکل گئی۔ سکندر بھی باہر چلا گیا۔ دعا بہ مشکل اپنے آنسوؤں کا گلا گھونٹتی وہیں بیٹھ گئی۔ شک تو اسے پہلے بھی تھا مگر اب یقین ہو گیا تھا۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا اس نے۔ سکندر اس کی بھابی پر بری نظر رکھتا ہے۔ یہ بات اس کو تڑپائے دے رہی تھی۔ اتنی جرات اس میں کبھی بھی نہیں رہی تھی کہ سکندر سے باز پرس کر سکتی۔ سکندر اور اس کا رشتہ محض ایک آقا اور کنیز کا تھا جو اس کا دل بہلانے کے لیے لائی گئی تھی۔ اس کی نظر میں وہ بیوی نہیں ایک کھلونا تھی۔ وہ اسے جوتی سے زیادہ اوقات نہیں دیتا تھا اور یہ اسی کا قول تھا کہ جوتی پیر میں ہی اچھی لگتی ہے' سر پر نہیں۔ وہ



آنسو پونچھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ بہرحال وہ اپنے میکے والوں کے سامنے تماشا نہیں بنانا چاہتی تھی۔ وہ حوریہ سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی اور حوریہ اپنی جگہ خجالت محسوس کر رہی تھی۔ حوریہ طبیعت کی خرابی کی وجہ سے جلد گھر آنا چاہتی تھی۔ اسی لیے باقی لوگوں کو بھی آنا پڑا تھا۔ ضمائر شاہ نہیں آیا تھا۔

اگلے دو تین دن یونہی بے کیف سے گزر گئے۔ ملازمہ سے چائے کا کہہ کر وہ شاور لینے چلی گئی۔ دو دن سے طبیعت پر عجیب سی کسلمندی چھائی ہوئی تھی۔ وہ شاور لے کر خود کو فریش محسوس کرنے لگی۔ باہر آئی تو یکدم ٹھٹک کر رک گئی۔ سامنے ہی ضمائر شاہ وارڈ روب کھولے کھڑا تھا۔ آہٹ پر بھی اس نے پلٹ کر نہ دیکھا۔ وہ بدستور اپنے کام میں مصروف رہا۔ حوریہ اسے نظر انداز کر کے آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ ضمائر شاہ غالباً شاور لینے کی غرض سے اپنے کپڑے اٹھا کر واش روم میں گھس گیا۔ ملازمہ چائے کی ٹرالی لیے چلی آئی۔ ضمائر نے یقیناً کھانا نہیں کھایا تھا اس لیے ماں جی نے چائے کے ساتھ دیگر لوازمات بھی بھجوا دیے تھے۔ وہ اپنے لیے چائے بنا رہی تھی۔ جب ضمائر شاہ باہر آیا۔ حوریہ نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا۔ وہ اب آئینے کے سامنے کھڑا بالوں میں برش چلا رہا تھا۔ خود پر ڈھیر سارا پرفیوم اسپرے کر کے اس نے اپنے لیے چائے بنائی اور اخبار لے کر بیٹھ گیا۔ حوریہ کو اس مسلسل خاموشی سے چڑ ہونے لگی۔ اس نے چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پر پٹخ دیا۔ پھر اٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل پر پڑی اشیاء کی اٹھا پٹخ کرنے لگی۔ ضمائر شاہ نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر بیزاری اور تلخی چھائی تھی۔ وہ سر جھٹک کر پھر سے اخبار میں مگن ہو گیا۔ وہ پیر پٹختی باہر نکل گئی۔ چند لمحے گزرے ہوں گے کہ حوریہ کی چیخ سنائی دی۔ وہ بے اختیار باہر کی طرف لپکا تھا۔ باہر کا منظر دیکھ کر وہ بری طرح پریشان ہو گیا۔ حوریہ زینے پر پڑی کراہ رہی تھی۔ پیشانی پر چوٹ لگی تھی۔ جس سے خون بہہ رہا تھا۔ ماں جی اور ہادیہ بھابی بھی دوڑی چلی آئیں۔ وہ ایک ہی جست میں کئی سیڑھیاں پھلانگتا اس تک پہنچا۔

"ضمائر! بیٹا تم حوریہ کو کمرے میں لے جاؤ اور ہادیہ تم کسی کو بھیج کر فوراً ڈاکٹر کو بلواؤ۔" ماں جی دونوں سے مخاطب ہوئیں۔ ہادیہ بھابی ڈرائیور کو بلانے دوڑیں۔ ماں جی ملازمہ کو سوپ بنانے کا کہہ رہی تھیں۔ ضمائر نے اسے بازوؤں میں اٹھا لیا۔ حوریہ درد کی شدت سے آنکھ بھینچے ہوئے تھی۔ بیڈ پر لٹا کر ضمائر نے جیب سے رومال نکال کر اس کی پیشانی سے بہتا خون صاف کیا۔ یہ سب کچھ بالکل بے اختیاری میں ہو رہا تھا۔ ماں جی اور ان کے پیچھے پیچھے بی بی جان اندر داخل ہوئیں تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کچھ دیر بعد ڈاکٹر آ گیا۔ اس نے زخم صاف کر کے ڈریسنگ کر دی اور سکون کا انجکشن لگا دیا۔

"فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ پیر میں معمولی سی موچ ہے۔ چند دن تک بیڈ ریسٹ لیں اور یہ دوائی باقاعدگی سے لگائیں۔ انشاءاللہ یہ ٹھیک ہو جائیں گی۔" ڈاکٹر نے ضمائر کے ہاتھ میں ایک نسخہ تھماتے ہوئے کہا۔ جس وقت وہ ڈاکٹر کو باہر تک چھوڑ کر واپس آیا حوریہ انجکشن کے زیر اثر نیم غنودگی کے عالم میں تھی۔

♥♥♥

"السلام علیکم ماں جی۔" وہ ابھی ابھی زمینوں سے لوٹا تھا۔ ہاریوں کا کوئی مسئلہ تھا جسے حل کرنے کے لیے حیات شاہ نے اسے بھیجا تھا۔ انہیں اپنے تینوں پوتوں میں سے سب سے زیادہ ضمائر شاہ کی قابلیت اور فہم و فراست پر اعتماد تھا۔ ولایت شاہ اور عنایت شاہ ان چھوٹے چھوٹے مسئلوں کے لیے نہیں جایا کرتے تھے۔

"وعلیکم السلام' جیتے رہو۔" ماں جی نے پیار بھری نظروں سے اسے دیکھا۔ "کھانا لگواؤں بیٹے؟"

"جی ماں جی بہت زور کی بھوک لگی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم منہ ہاتھ دھو لو میں کھانا لگواتی ہوں۔"

ضمائر شاہ اپنے کمرے میں گیا تو حوریہ بیڈ پر نیم دراز تھی۔ اس کے چہرے پر بیزاری تھی۔ کل سے اس طرح لیٹے لیٹے وہ اکتانے لگی تھی۔ وہ کچھ دیر کو کمرے سے باہر جانا چاہتی تھی اور یہ سہارے کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ اتنی ڈھیر ساری سیڑھیاں وہ بنا سہارے کے نہیں اتر سکتی تھی۔ ضمائر شاہ منہ ہاتھ دھو کر واپس آیا تو وہ بیڈ سے اتر کر چلنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے باہر کی طرف بڑھا تو حوریہ نے پکارا۔

"بات سنیں۔"

"جی مجھ سے کچھ کہا آپ نے؟" لہجہ بیگانگی سے معمور تھا۔

"اگر زحمت نہ ہو تو کسی ملازمہ کو اوپر بھجوا دیجیے۔ میں نیچے

جانا چاہتی ہوں۔" وہ بنا کوئی جواب دیے باہر نکل گیا۔ حوریہ جل کر رہ گئی۔ مغرور تو وہ پہلے بھی تھا مگر اتنی اکڑ اور غصہ! ہونہہ حوریہ نے سر جھٹکا۔ وہ وہیں بیٹھ گئی۔ کچھ ہی دیر بعد ضمائر شاہ دوبارہ اندر داخل ہوا۔ چہرے پر حد درجہ سنجیدگی اور پیشانی پر تیوریاں چڑھ جانے ہوئے لگ رہا تھا کہ زبردستی بھیجا گیا ہے۔

"چلو۔" بازو تھام کر اسے کھڑا کیا۔ حوریہ یوں بدکی جیسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ ضمائر شاہ کو مزید غصہ آ گیا۔ بازو پر گرفت کچھ اور مضبوط ہو گئی۔

"تمہیں چھونے یا تمہاری قربت حاصل کرنے کی کوئی تمنا نہیں ہے مجھے۔ محض ماں جی کے کہنے پر تمہیں لینے آیا ہوں کیونکہ بقول ان کے شوہر کے ہوتے ہوئے بیوی کو کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اب بے چاری ماں جی کیا جانیں کہ تمہیں شوہر کی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ تمہیں تو ایک ایسا مرد چاہیے جو دن رات تمہارے حسن کے قصیدے پڑھتا رہے۔" کیسی کاٹ تھی اس کے لہجے میں۔

"ضمائر شاہ تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا میرے کردار پر شک کرنے کا۔" غصے سے اس کی آواز کانپ اٹھی تھی۔

"شک...... ہا......" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "تم شک کی بات کرتی ہو جب کہ میں تو اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ چکا ہوں۔" اس کا انداز حوریہ کے اندر جارحانہ پن پیدا کر رہا تھا۔ اس نے ضمائر شاہ کا گریبان تھام لیا۔

"کیا دیکھا ہے تم نے بولو آخر ایسا کیا دیکھا ہے تم نے کہ تم مجھے کریکٹر لیس عورت کی سند دینے پر آمادہ ہو۔ جن کی اپنی نظریں آلودہ ہوتی ہیں۔ انہیں ہر شخص کیچڑ میں لتھڑا نظر آتا ہے۔" وہ اس کا گریبان تھامے اسی کے حصار میں بہ مشکل کھڑی تھی ورنہ پیر تو بری طرح دکھ رہا تھا۔

"میری نظر میں ہر وہ عورت کریکٹر لیس ہے جو اپنے شوہر یا منگیتر کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے مرد کی طرف مائل ہوتی ہے اور تم نے ایسا کیا ہے حوریہ شاہ۔" اس کے ہاتھوں سے اپنا گریبان چھڑواتے ہوئے وہ گویا ہوا۔ حوریہ لڑکھڑا کر بیڈ پر گر گئی۔

"ہاں میں نے ایسا کیا ہے مگر وہ سب محض دادا سائیں کے فیصلے سے بغاوت کا ایک حصہ تھا۔ ان کے عمل کا ایک ردعمل تھا۔" وہ جانے کیوں صفائی پیش کرنے لگی۔

"اور اس سب میں میرا کیا قصور تھا حوریہ شاہ۔ تم اپنے منہ سے اعتراف کر چکی ہو کہ تم مجھ سے نفرت کرتی ہو۔ تمہاری نظر میں میں ایک آوارہ شخص ہوں اور وہ جسے تم عورت کی عزت اور تقدس کا علمبردار سمجھتی ہو بہت جلد اس کی اصلیت جان جاؤ گی اور ایک بات یاد رکھنا حوریہ شاہ پہاڑ سے گرا ہوا تو اٹھ سکتا ہے مگر نظر سے گرا ہوا نہیں۔" وہ یہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ حوریہ گم صم سی وہیں بیٹھی رہ گئی۔

ضمائر شاہ کو گئے ہوئے دو ہفتے ہونے والے تھے۔ حوریہ کا پیر بھی اب ٹھیک ہو چکا تھا۔ وہ سارا سارا دن بنا کوئی لفظ بولے گزار دیتی تھی۔ زیادہ وقت اپنے کمرے میں رہتی۔ ماں جی اور بی بی جان بھی اس کی اس قدر خاموشی سے پریشان تھیں۔ ماں جی سوچتیں کہ اس نے اپنے اردگرد اتنی خاموشی پھیلا رکھی ہے تو اس کے اندر کیسا گہرا سناٹا چھایا ہوگا اور بی بی جان تو ماں تھیں۔ سگی ماں بیٹی کے ایک ایک انداز سے واقف تھیں۔ محض ایک نگاہ سے بات کی تہہ میں پہنچ گئی تھیں۔ ان کے شک کو تقویت ضمائر شاہ کے اکھڑے اکھڑے اور سرد رویے سے ملی تھی۔ انہوں نے کیا گھر کے کسی بھی فرد نے ان دونوں کو آپس میں بات کرتے دیکھا نہ سنا۔ حتیٰ کہ دونوں ایک دوسرے سے مخاطب بھی نہ ہوتے تھے۔ مریم اور بادیہ بھابی بھی اپنی جگہ پریشان تھیں۔ مریم سوچتی ادا کی تو یہ پسند کی شادی ہے۔ حوریہ ان کی چاہت ہے پھر یہ لاتعلقی یہ سرد مہری کیسی۔ ایک بات جو کھٹک رہی تھی وہ ضمائر کا حوریہ کو اپنے ساتھ شہر میں نہ رکھنے کا فیصلہ تھا۔ ضمائر نے خاص طور پر شہر میں گھر اس لیے بنوایا تھا تاکہ شادی کے بعد حوریہ کو اپنے ساتھ رکھ سکے۔ حوریہ بھی ایسی کٹھور اور سرد مہر ہو گئی تھی کہ مریم خود بخود اس سے دور ہو گئی تھی۔

"حوریہ۔" ماں جی اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

"جی ماں جی۔" وہ جو سوچوں میں گم غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی چونک اٹھی۔

"کیا بات ہے چندا طبیعت تو ٹھیک ہے؟" ماں جی اس کے سرہانے بیٹھ گئیں۔

"جی ماں جی مجھے کیا ہونا ہے۔"

"بیٹے! ہر وقت یوں کمرے میں تنہا بیٹھی کیا سوچتی رہتی ہو۔ کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ۔"



"نہیں...... نہیں تو مجھے کوئی پریشانی کیوں ہوگی۔"

"تم کیا سمجھتی ہو ہمیں کچھ نظر نہیں آتا۔ باہر نکلا کرو۔ ہنسا بولا کرو۔ تم نے تو بھی ٹھیک سے سنگھار بھی نہیں کیا۔ نو بیاہتا لڑکیاں یوں نہیں رہا کرتیں۔"

"بس ماں جی دل نہیں چاہتا۔"

"یہی تو میں پوچھ رہی ہوں کہ آخر کیوں دل نہیں چاہتا کوئی مسئلہ ہے؟ ضمائر نے کچھ کہا ہے؟"

"نہیں۔" وہ محض نفی میں سر ہلا کر رہ گئی۔

"اگر کوئی مسئلہ کوئی الجھن نہیں ہے تو پھر فٹافٹ تیار ہو کر نیچے آؤ تاکہ مجھے یقین آ سکے۔ مجھے بھی پتا چلے کہ میرے گھر بہو آئی ہے۔" ماں جی نے مسکرا کر اس کی پیشانی چومی اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔ حوریہ محض ان کا دل رکھنے کی خاطر آج اتنے دنوں بعد تیار ہوئی تھی۔ سبز اور گہرے نیلے رنگ کا جارجٹ کا ریشم اور شیشوں کے کام سے مزین سوٹ اس کے وجود پر سج کر اپنی قیمت بڑھا رہا تھا۔ شولڈر کٹ بال گیلے تھے۔ اس لیے کھلے چھوڑ دیے۔ لپ اسٹک کا کوٹ دینے کے بعد خود پر پرفیوم اسپرے کیا اور باہر چلی آئی۔ ماں جی اسے دیکھ کر خوش ہو گئیں۔ وہ بھی خود کو تر و تازہ محسوس کر رہی تھی۔ اسی لمحے جو شخص اندر داخل ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر حوریہ کی رنگت ایکدم تمتما اٹھی تھی۔ پیشانی پر بل پڑ گئے۔

"سلام مامی جی۔" حوریہ کو گہری نگاہوں سے جانچتا وہ ماں جی کے سامنے جھکا۔

"جیتے رہو۔" ماں جی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ سکندر شاہ نے ایک بار پھر حوریہ کو غور سے دیکھا۔ حوریہ کو اس کی گرسنہ نگاہوں سے کراہیت آنے لگی تھی۔ وہ جلد از جلد وہاں سے ہٹ جانا چاہتی تھی۔

"مامی جی! چائے تو پلوائیے۔"

"حوریہ! ملازمہ سے کہو چائے کا بندوبست کرے سکندر کھانا کھا کر جانا۔"

"جو آپ کا حکم مامی جی۔" اس نے اٹھ کر جاتی حوریہ پر نگاہ کی۔ ماں جی سمجھدار تھیں۔ داماد کی نگاہوں کا زاویہ جان گئیں۔

"بڑے دنوں بعد چکر لگایا سکندر شاہ۔ دعا کیسی ہے؟" لہجہ خود بخود تھوڑا سا سنجیدہ ہو گیا۔

"ٹھیک ہے۔ میں نے تو کہا کہ میرے ساتھ چلو مگر وہ مانی ہی نہیں۔ کہہ رہی تھی دل نہیں چاہ رہا۔" اپنی بات کے اختتام پر وہ خود ہی ہنسا۔ کھانا سکندر نے ان کے ساتھ ہی کھایا تھا۔ حوریہ اس کی نگاہیں خود پر محسوس کر کے بری طرح تپ گئی تھی۔ بادیہ بھابی اور ادا ضمائر دو دن سے مری گئے ہوئے تھے۔ اذلان کے اسکول میں اسپورٹس ویک منایا جا رہا تھا اور ان کا اکلوتا بیٹا باسکٹ بال ٹیم کا کیپٹن تھا۔ چند خواتین ماں جی سے ملنے آئی تھیں اس وجہ سے ماں جی کو اٹھ کر جانا پڑا تھا۔ حوریہ اور سکندر تنہا رہ گئے۔

"ہائے مار ڈالا۔" وہ گنگنایا تھا۔ انداز ایسا گھٹیا اور لوفرانہ تھا کہ حوریہ کا جی چاہا کہ ہاتھ میں پکڑا چائے کا کپ اس کے منہ پر دے مارے۔ سکندر شاہ نے بڑے دلربا انداز میں اس کی طرف دیکھا۔ وہ اٹھنا ہی چاہتی تھی جب ضمائر شاہ اندر داخل ہوا۔ حوریہ نے بے اختیار سکون بھرا سانس لیا۔ عجیب سے احساس نے گھیر لیا۔ یوں لگا جیسے وہ ایکدم محفوظ ہو گئی ہو۔ ضمائر شاہ سکندر سے مصافحہ کرتے ہوئے حوریہ کے برابر بیٹھ گیا۔ حوریہ خود کو اس وقت محفوظ قلعے میں بیٹھا محسوس کر رہی تھی۔ اس کی توقع کے عین مطابق سکندر شاہ چند رسمی باتیں کرنے کے بعد اٹھ کھڑا ہوا۔ ضمائر شاہ بھی بنا کچھ کہے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ حوریہ ابھی تک عجیب سے احساسات میں گھری بیٹھی تھی۔ اسے پہلی بار ضمائر شاہ کی موجودگی میں تحفظ کا احساس ہوا تھا۔

"نہیں، نہیں۔" اس نے سر جھٹکا۔ "شاید میری یہ کیفیت سکندر شاہ کی موجودگی کی وجہ سے تھی۔" وہ کافی دیر وہیں بیٹھی رہی۔

"حوریہ! ضمائر نے کھانا کھا لیا؟" ماں جی کی آمد پر وہ چونکی۔

"جی پتا نہیں۔" وہ گڑبڑا گئی۔

"کیا مطلب؟"

"انہوں نے مجھ سے تو کھانے کے متعلق کچھ نہیں کہا۔" وہ سنبھل کر گویا ہوئی۔

"اچھا مجھے تو کہہ رہا تھا کھانا لگوائیں بھوک لگی ہے۔ میں نے سوچا تم سے کہہ دیا ہوگا اس نے۔" ماں جی خود کلامی کے سے انداز میں بڑبڑائیں۔ "حوریہ! تم جا کر اس سے کھانے کا

پوچھو۔"

"جی بہتر۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ضمائر شاہ تولیے سے بال رگڑتا واش روم میں سے برآمد ہوا۔

"ماں جی پوچھ رہی ہیں کھانا لگواؤں؟" حوریہ کے پوچھنے پر اس نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

وہ دو دن وہاں رہا۔ حوریہ سے تو وہ پہلے بھی مخاطب نہیں ہوتا تھا مگر اس بار تو اس کے رنگ ڈھنگ ہی بدلے ہوئے تھے۔ اس کا رویہ بہت سرسری سا تھا۔ لہجے میں نفرت تھی نہ محبت۔ نظر بھر کر تو پہلے بھی نہ دیکھتا تھا مگر اب تو سرسری سی نگاہ ڈالنا بھی گوارا نہ کیا۔ حوریہ کو اس کا رویہ الجھن میں مبتلا کر رہا تھا۔

"اس پر سائن کر دو۔" وہ سونے کے لیے لیٹ ہی رہی تھی جب ضمائر شاہ نے ایک اسٹامپ پیپر اس کے سامنے ڈالا۔

"یہ کیا ہے؟"

"اجازت نامہ۔" حوریہ نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا۔

"اگرچہ مجھے دوسری شادی کے لیے تمہاری اجازت کی کوئی ضرورت نہیں ہے مگر میں تمہاری فطرت سے بھی واقف ہوں۔ کون جانے کل کو عدالت میں پہنچ جاؤ کہ تمہارے شوہر نے تمہاری اجازت کے بغیر دوسری شادی کرلی ہے۔"

"اور اگر میں سائن نہ کروں تو؟" اس نے تیکھی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ تو محض خانہ پری ہے۔ شادی تو بہرحال مجھے ہدیٰ ابراہیم سے کرنی ہی ہے۔"

"جب تمہیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تو پھر یہ سب کرنے کا مقصد؟" حوریہ نے وہ کاغذ ہوا میں لہرایا۔

"تم اس قدر بحث کیوں کر رہی ہو۔ میرا خیال ہے تمہیں میری دوسری شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔" وہ ٹیبل لیمپ آف کرتا لیٹ گیا۔ حوریہ نے ایک نظر ہاتھ میں پکڑے اسٹامپ پیپر کو دیکھا اور دوسری نظر ضمائر شاہ کی پشت پر ڈالی۔

ضمائر شاہ کی آنکھ کھلی تو صبح کے بارہ بج رہے تھے۔ اسے اپنے اتنی دیر تک سوئے رہنے پر حیرت ہوئی۔ حوریہ کمرے میں موجود نہیں تھی۔ ضمائر کو آج شہر واپس جانا تھا۔ شاور لینے کے بعد وہ تیار ہوا۔ اس کے بعد اس نے بریف کیس میں چند ضروری کاغذات رکھے۔ ایک دم کچھ یاد آنے پر بریف کیس کھلا چھوڑ کر وہ سامنے رکھا اسٹامپ پیپر اٹھانے کے لیے بڑھ گیا۔ حوریہ کے دستخط دیکھ کر خود بخود لبوں پر ایک استہزائیہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ پیپر اٹھا کر اس نے بریف کیس میں رکھا اور موبائل، والٹ اور گاڑی کی چابیاں اٹھاتا وہ نیچے چلا آیا۔ بی بی جان اور ماں جی راز و نیاز میں مصروف تھیں۔ عنایت شاہ کاغذات میں سر دیے بیٹھے تھے۔ حوریہ کہیں بھی موجود نہ تھی۔ وہ سب کو سلام کرتا وہیں بیٹھ گیا۔ بی بی جان کسی کام سے اٹھ کر چلی گئیں۔

"واپسی کی تیاری ہے؟" ماں جی نے دریافت کیا۔

"جی ماں جی۔"

"کھانا کھا کر جانا۔"

"مگر ماں جی مجھے دیر......"

"بیٹا گھر سے باہر نکلنے سے پہلے کچھ کھا لینا چاہیے۔ تم اب سو کر اٹھے ہو۔ اب تو دوپہر کے کھانے کا وقت ہے۔ اس لیے کھانا کھا کر جانا۔ میں ابھی کھانا لگواتی ہوں۔" ماں جی نے کہا، ساتھ ہی ملازمہ کو آواز دے کر کھانا لگانے کا کہا۔ حوریہ کھانے پر بھی موجود نہ تھی۔

"ضمائر۔"

"جی ماں جی۔" اس نے چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔

"جب سے تمہاری شادی ہوئی ہے تمہارا زیادہ تر قیام شہر میں ہی ہوتا ہے۔" وہ جس ذکر سے بچنا چاہ رہا تھا۔ ماں جی نے وہی ذکر چھیڑ دیا۔

"ماں جی! کام بھی تو بہت پھیل گیا ہے۔ بزنس میں قدم جمانے کے لیے دن رات ایک کر کے کام کرنا پڑتا ہے۔ ابھی فیکٹری کو سال ہی ہوا ہے۔ اس لیے کام کا لوڈ زیادہ ہے۔" اس نے ماں جی کو مطمئن کرنے کے لیے تفصیل سے جواب دیا۔

"تم حوریہ کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لے جاتے۔ وہ سارا دن بے کار بیٹھی رہتی ہے۔ نئی نئی شادی ہے۔ اسے تمہاری توجہ کی ضرورت ہے۔"

"اس کی کیا ضرورت ہے ماں جی۔" اس نے کوفت سے پہلو بدلا۔ "میں سارا سارا دن گھر سے باہر رہتا ہوں۔ اکثر شہر سے باہر جانا پڑتا ہے۔ وہ یہیں ٹھیک ہے۔ اچھا میں چلتا ہوں۔" وہ چائے ختم کر چکا تھا۔

"شام کو آؤ گے؟"



"نہیں ماں جی۔ اس بار آٹھ دس دن لگ جائیں گے۔ چند دنوں تک کام کا کافی لوڈ ہے۔ اچھا اللہ حافظ۔" وہ بریف کیس ملازم کو تھما کر اٹھ کھڑا ہوا۔ "اچھا بابا سائیں اللہ حافظ۔" اس نے عنایت شاہ کو مخاطب کیا اور باہر چلا گیا۔ حوریہ کو دیکھ کر ایک لمحے کو رکا۔ وہ برآمدے میں پڑے قدیم طرز کے منقش تخت پر پیر لٹکائے بیٹھی تھی۔ ضمائر شاہ نے اس کی خالی الذہنی کو شدت سے محسوس کیا۔ غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے وہ ارد گرد سے بے نیاز لگ رہی تھی۔ وہ سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے اس نے ایک بار پھر مڑ کر حوریہ کی طرف دیکھا۔ وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے دیکھنے پر ایکدم گڑبڑا کر نظروں کا زاویہ بدل گئی۔ ضمائر اب گاڑی اسٹارٹ کر چکا تھا۔ گیٹ سے نکلتے ہوئے اس نے بیک ویو مرر میں دیکھا۔ حوریہ اب بھی اسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔ وہ گاڑی ایکدم نکال لے گیا۔ تھکا دینے والے سفر کے بعد وہ ڈھلتی شام میں گھر پہنچا تھا۔ ابھی کچھ ہی دیر گزری ہوگی کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔ اسکرین پر ہدیٰ ابراہیم کا نمبر دیکھ کر Talk پش کیا۔

"ہیلو۔"

"کتنے ظالم ہو ضمائر شاہ۔" چھوٹتے ہی کہا گیا۔ آپ ہی آپ ایک دھیما سا تبسم اس کے لبوں پر بکھر گیا۔ "یہ تم ہنس کیوں رہے ہو۔ تمہاری شان میں قصیدہ تو نہیں پڑھا میں نے۔" وہ چڑ کر گویا ہوئی۔

"ذرا میرے مظالم کی تفصیل بتانا پسند کرو گی؟"

"اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک بھولی بھالی معصوم لڑکی کو اپنا اسیر کر لیا اور ستم یہ کہ تین تین روز کی غیر حاضری، ضمائر شاہ تم نے تو ستم ڈھانے کے پورے پورے انتظام کر رکھے ہیں۔"

"اچھا بابا سوری، بہت ضروری کام تھا اس لیے بنا بتائے چلا گیا۔"

"اوں اچھا کھانا کھا لیا تم نے؟"

"نہیں۔"

"تو بس ٹھیک ہے۔ تم تیار ہو جاؤ۔ میں آ رہی ہوں ڈنر باہر کریں گے۔"

"ہدیٰ! میں تھک گیا ہوں یار پھر کبھی......"

"تو وہ یہ تمہاری سزا ہے مسٹر ظالم۔ میں آ رہی ہوں۔" فون بند ہو چکا تھا۔ ضمائر نے بیزاری کے عالم میں سیل فون صوفے پر پھینک دیا اور خود تیار ہونے چل دیا۔ جانتا تھا ہدیٰ ضد کی پکی ہے۔ جو کہتی ہے کر کے دکھاتی ہے۔ کچھ ہی دیر بعد ہدیٰ آگئی۔

"چلیں؟" وہ پوچھنے لگی پھر ایکدم رک گئی۔ "کیا بہت زیادہ تھک گئے ہو؟" شاید اس نے ضمائر کے چہرے پر بے زاری کے آثار پا لیے تھے۔

"ساری تھکن تو تمہیں دیکھ کر اتر جاتی ہے۔" وہ مسکرایا۔

"ارے تم تو باتیں اچھی بنا لیتے ہو۔" وہ شرارت سے گویا ہوئی۔ ضمائر کے گھورنے پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "اچھا بابا چلو مجھے بہت زور کی بھوک لگی ہے۔" وہ پورچ میں کھڑی ہدیٰ کی گاڑی تک گئے۔

"اپنی گاڑی یہیں رہنے دو۔ میری گاڑی میں چلو۔" ضمائر نے کہا۔ یہ ضمائر کا ہی موقف تھا کہ مرد کی موجودگی میں عورت ڈرائیو کرتی اچھی نہیں لگتی۔

"آخر فیوڈل لارڈ جو ٹھہرے۔ عورت کی برتری کیسے برداشت کر سکتے ہو۔" وہ کھلکھلائی مگر ضمائر کے مسکراتے لب بھینچ گئے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ شہر کے مشہور ریسٹورنٹ میں موجود تھے۔

"کتنے بور ہو ضمائر شاہ۔" ہدیٰ نے اس کے ہاتھ کی پشت پر ہاتھ مارا۔

"کیا مطلب؟" وہ مسکرایا۔

"مطلب یہ کہ بجائے اس کے کہ اتنے رومینٹک ماحول میں جب کہ ایک حسین و جمیل لڑکی تمہارے ساتھ ہے تم رومینٹک گفتگو کرو، تم تو منہ میں گونگے کا گڑ ڈالے بیٹھے ہو۔" ہدیٰ کے شکوے پر اس نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی۔ پھر ارد گرد کے ماحول پر۔ ریسٹورنٹ میں زیادہ رش نہیں تھا۔ دھیمے سروں میں بجتا میوزک اور ہلکا ہلکا اندھیرا ماحول کو واقعی بہت رومینٹک بنا رہا تھا۔

"اچھا تم بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔" دونوں کہنیاں میز پر ٹکا کر ہاتھوں کو باہم ملا کر ٹھوڑی کے نیچے جمایا اور دلچسپی سے اس کی طرف دیکھا۔ ہدیٰ نے جواباً مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔

"اتنے بڑے ہو گئے ہو مگر اتنا نہیں پتا کہ جب کوئی حسین لڑکی ساتھ ہوتی ہے تو اس کی تعریف کی جاتی ہے۔ اس سے تو اچھا تھا میں کسی شاعر کے ساتھ عشق فرماتی۔ وہ کم از کم میری تعریف تو کرتا۔ ایک تم ہو کہ نظر بھر کے دیکھتے ہی نہیں۔ آج میں اتنی محنت سے تیار ہوئی مگر تم نے تو......" اس نے بات ادھوری چھوڑ کر تاسف سے سر ہلایا۔

"میں شاعروں کی طرح تعریف نہیں کرسکتا۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ چاند چہرہ غزالی آنکھیں ناگن زلفیں' مورنی جیسی چال' گلاب کی پنکھڑی جیسے لب وغیرہ وغیرہ۔ بھئی یہ بھی کوئی تعریف ہے۔ انسانوں والی کوئی خصوصیت ہی نہیں اور تم لڑکیاں ایسی تعریف سن کر خوش ہو جاتی ہو دوسرے لفظوں میں خود کو جانور کہلوانا پسند کرتی ہو۔" ضمائر شاہ نے بڑے سکون سے تعریف کی حقیقت بیان کی تو ہدیٰ جل کر رہ گئی۔

"تمہارے یہ حسین خیالات کسی شاعر نے یا کسی باذوق نے سن لیے تو دیواروں سے سر پھوڑ پھوڑ کر مر جائے گا۔" ضمائر شاہ اس کے حسین چہرے پر نظریں جمائے بیٹھا رہا۔ ہدیٰ اس کی نظروں کے ارتکاز سے گھبرا گئی۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟" چہرہ بلش ہونے لگا تھا۔

"تمہیں۔" سکون سے جواب آیا۔

"مگر کیوں؟"

"خود ہی تو کہتی ہو کہ کبھی نظر بھر کے نہیں دیکھتا۔" ضمائر کے کہنے پر اس کے چہرے کی سرخی میں اضافہ ہو گیا۔ وہ پلکیں جھکا گئی۔ ضمائر نے بڑی دلچسپی سے یہ منظر دیکھا۔

"ایک نظر تو برداشت نہیں ہوتی' فرماتی ہیں نظر بھر کے دیکھا کروں۔" وہ محظوظ ہو کر بولا۔

"شٹ اپ! شاہ مجھے بھوک لگی ہے۔ چلو آرڈر کرو۔ ویٹر۔" اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پانا چاہا۔

"بس اتنا ہی حوصلہ تھا۔ ابھی تو میں رومینٹک ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"شاہ۔" ہدیٰ نے دانت پیستے ہوئے ہاتھ میں پکڑا فورک لہرایا تو ضمائر شاہ قہقہہ لگائے بنا نہ رہ سکا۔

♥♥♥

دعا نے روتے روتے سر اٹھا کر ایک نظر اس سنگدل پر ڈالی جسے تقدیر کی ستم ظریفی نے اس کا شریک حیات بنا دیا تھا۔ وہ بیڈ پر آڑا ترچھا پڑا تھا۔ بہت زیادہ پینے کے بعد مدہوش ہو گیا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اس کے منہ سے کسی ستارہ بائی کے لیے تعریفی کلمات نکلتے تھے۔ پان کھانے کی وجہ سے ہونٹ سرخ ہو رہے تھے۔

"سکندر یہ کیا حالت بنا رکھی ہے آپ نے؟" وہ کہے بنا نہ رہ سکی تھی۔

"بھٹ پڑے منحوس عورت۔" سکندر نے اس کے دائیں گال پر تھپڑ مارا اور اسے دور دھکا دیا۔ وہ دیوار کا سہارا لے کر سنبھل گئی۔ ورنہ وہ جس حالت میں تھی یہ اس کے اور بچے کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ تب سے وہ ایک کونے میں منہ چھپائے سسک رہی تھی۔ "کاش...... کاش میں کسی غریب کے گھر میں پیدا ہوئی ہوتی۔ دولت نہ سہی قلبی سکون تو ہوتا۔ یہ دولت ہی سارے فساد کی جڑ ہے۔ یہ زر' زمین' کیا فائدہ ہے ان چیزوں کا۔" وہ ساری رات روتی رہی تھی۔ نتیجتاً صبح تک بری طرح بخار میں تپ رہی تھی۔ سکندر بے حس بنا پڑا سوتا رہا۔ زرینہ پھوپو نے دیکھا تو پریشان ہو گئیں۔ اپنے کمرے میں لٹایا۔ فوراً ڈاکٹر کو بلا بھیجا۔ ڈاکٹر نے چند ٹیسٹ ٹانک اور دوائیں لکھ دیں۔

"مسلسل ٹینشن اور ذہنی دباؤ بچے کی صحت پر برا اثر ڈال سکتا ہے۔ انہیں کھلایا پلایا کریں اور تفکرات سے دور رکھنے کی کوشش کریں۔ بی پی بھی خاصا لو ہے جو اس حالت میں مزید خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ ان کا ریگولر چیک اپ بہت ضروری ہے۔" ڈاکٹر ہدایات دیتی چلی گئی۔ زرینہ پھوپو نے ایک نظر بے سدھ پڑی دعا پر ڈالی۔ آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی گہرے حلقے اور زرد رنگت' چہرہ کملا گیا تھا۔ وہ نظریں چرا گئیں۔ جانتی تھیں کہ اس کی اس حالت کا ذمے دار کوئی اور نہیں ان کا اپنا بیٹا ہے۔ شادی کے وقت انہیں بھی اپنے بیٹے میں کوئی برائی نہیں آئی تھی۔ "ارے یہ سب تو نوجوانی کے شوق ہیں۔ عمر کے ساتھ ساتھ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ سب مرد مشغل میلہ لگانے کے شوقین ہوا کرتے ہیں۔" وہ یہ کہہ کر سب کو مطمئن کر دیا کرتی تھیں مگر اب انہیں احساس ہو رہا تھا کہ یہ سب ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ سکندر شاہ کی وہی روش تھی وہ بخوبی دیکھ رہی تھیں کہ کیسے ان کی پھول سی بھتیجی کو سکندر شاہ نے مسل کر رکھ دیا تھا۔ وہ دن بدن گھلتی جا رہی تھی۔ اپنے ماں



باپ سے بھی وہ کچھ نہیں کہتی تھی کسی سے کوئی شکوہ نہیں کرتی تھی۔ اسی وجہ سے سکندر مزید شیر ہو گیا تھا۔ اسے تو اپنے ہونے والے بچے کی بھی کوئی پروا نہیں تھی۔

♥♥♥

"ارے سعدیہ تم؟" وہ سعدیہ کو اس طرح اچانک اپنے سامنے دیکھ کر حیرت سے چلا اٹھی۔

"بے مروت' بے وفا۔" سعدیہ شکوہ کرتے ہوئے اس کے گلے لگ گئی۔

"کیسی ہو؟ یہاں کس کے ساتھ آئی ہو؟"

"ارے ذرا دم تو لینے دو۔ بتاتی ہوں مگر پہلے تم مجھے بتاؤ کیا دوستوں کے ساتھ ایسا کیا جاتا ہے؟"

"میں نے کیا کیا ہے؟"

"پیپرز دینے کے بعد ایسی غائب ہوئیں جیسے گدھے کے سر سے سینگ اور چوری چوری رخصتی بھی کروالی۔ مجھے بلانا بھی گوارہ نہ کیا۔" سعدیہ کا شکوہ بجا تھا۔ وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

"یہ لمبی داستان ہے۔ پھر کبھی سناؤں گی۔"

"نالومت بتاؤ ناں کیا ہوا تھا۔"

"یہ سب میرے لیے بھی بالکل اچانک تھا۔ مجھے سنبھلنے کا یا کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیا کسی نے۔" اس کی آواز رندھ گئی۔

"حوریہ تم خوش تو ہو نا۔ ضمائر شاہ کا رویہ تو ٹھیک ہے نا تمہارے ساتھ؟" سعدیہ پریشان ہو گئی۔ حوریہ سے ضبط نہ ہو سکا۔ پچھلے دو تین ماہ سے وہ کسی ایسے ہمدرد کی تلاش میں تھی جس کے کندھے پر سر رکھ کر دل کا بوجھ ہلکا کر سکے۔ اس کے آنسو چھلکنے کو بے تاب تھے۔ جانے کتنی دیر وہ سعدیہ کے کندھے سے لگی آنسو بہاتی رہی۔ دھیرے دھیرے اسے سب کچھ بتا دیا۔

"سعدی...... وہ...... وہ کہتا ہے کہ میں اچھے کردار کی نہیں ہوں۔ کیا اتنی بری ہوں میں؟" وہ دوسری شادی کر رہا ہے۔"

سعدیہ کو اصل بات تو اب معلوم ہوئی تھی جو اندر ہی اندر حوریہ کو کھائے جا رہی تھی۔ یہ وہی حوریہ شاہ تھی جو کل تک ضمائر شاہ کے ذکر سے بھی دور بھاگتی تھی اور آج...... آج اسی کی بے اعتنائی کا رونا رو رہی تھی۔ یہ لڑکیاں بھی کتنی عجیب ہوتی ہیں۔ جب کوئی بار بار چاہت کا اظہار کرتا رہے تو اس کو کوئی اہمیت نہیں دیتیں مگر جب وہی شخص منہ موڑ لے تو دکھ کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب جاتی ہیں۔ بہار کے موسم میں کھلنے والے پھول کی قدر تو خزاں ہونے پر معلوم ہوتی ہے۔

"حوریہ! تم اسے روک لو ناں دوسری شادی مت کرنے دو۔"

"کوئی فائدہ نہیں۔ وہ میری بات کبھی نہیں مانے گا۔" حوریہ نے اپنے گالوں پر پھسل آنے والے آنسو صاف کیے۔

"چھوڑو اس قصے کو تم سناؤ کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں تمہیں بطور خاص اپنی شادی پر انوائیٹ کرنے کے لیے آئی ہوں۔ پہلے سوچا کارڈ پوسٹ کردوں مگر مجھے معلوم تھا تم نے کوئی نہ کوئی اعتراض کا پہلو نکال لینا ہے۔ اسی لیے خود چلی آئی تا کہ گلے کی کوئی گنجائش نہ رہے۔"

"کس کے ساتھ آئی ہو؟"

"بھائی کے ساتھ وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ میں نے کہہ دیا کل صبح مجھے آکر لے جائے۔"

"کل صبح کیوں ابھی دو تین دن تک تم یہیں رہو گی۔ بس میں نے کہہ دیا ہے۔"

"کچھ عقل کے ناخن لے لڑکی۔ پندرہ دن بعد میری شادی ہے اور ابھی تو مجھے مایوں بھی بیٹھنا ہے۔" رات کا کھانا انہوں نے ماں جی' بی بی جان اور مریم کے ساتھ ہی کھایا تھا۔ بادیہ بھابی اور ادا ضماد ابھی تک مری اسلام آباد میں ہی مقیم تھے۔ رات وہ دونوں کافی دیر تک باتیں کرتی رہیں۔

"سعدی! میرے آنے کے بعد کبھی زوبی سے بھی ملاقات ہوئی؟"

"نہیں البتہ شمیل خان ایک بار ہاسٹل آیا تھا تمہارا پتہ کرنے۔"

"تو پھر؟" وہ کچھ بے چین سی ہو گئی۔

"میں نے اسے بتا دیا کہ تمہارا ضمائر شاہ سے نکاح ہو چکا ہے اور تم اپنے گھر واپس جا چکی ہو۔"

"پھر اس نے کیا کہا؟"

"کچھ نہیں بس منہ لٹکا کر واپس چلا گیا۔ ہاں تمہارے گھر کا ایڈریس مانگ رہا تھا مگر میں نے کہہ دیا مجھے نہیں معلوم کہنے لگا یہ تو کوئی مسئلہ نہیں۔ میں وارڈن سے پتا کرلوں گا۔"

"وارڈن ہاں اس کی صالحہ آنٹی کی جاننے والی ہیں۔ سعدی اگر وہ یہاں آ گیا تو؟" سعدیہ نے ایک حیران سی نظر حوریہ پر ڈالی۔

"حوریہ یہ تم ہو۔ تم تو کسی سے بھی نہ ڈرنے کے دعوے کیا کرتی تھیں۔ پھر اب یہ بزدلی چہ معنی۔"

"پہلے اور اب کے وقت میں بہت فرق ہے سعدیہ۔ میں وقت کے سامنے ہتھیار ڈال چکی ہوں۔"

"حوریہ ادھر دیکھو میری طرف۔" سعدیہ نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھ سے اوپر اٹھایا۔ حوریہ نے پل کے پل نگاہیں اٹھائیں پھر پلکوں کی چلمن گرا لی۔ "تم ضمائر شاہ سے محبت کرنے لگی ہو ناں؟" سعدیہ کی بات پر اس نے ایکدم چونک کر اسے دیکھا۔

"نہیں۔" اس نے ایک لمحے کے توقف کے بعد نفی میں سر ہلایا۔

"ادھر دیکھو حوریہ تم کم از کم مجھے دھوکا نہیں دے سکتیں۔ میں جانتی ہوں۔ تمہیں اس سے محبت ہو گئی ہے۔"

"نہیں سعدی تمہیں غلط فہمی......"

"مجھے غلط فہمی نہیں ہوئی۔" سعدیہ نے اس کی بات کاٹی۔ "تم اپنے آپ کو دھوکا دینے کی کوشش کر رہی ہو۔"

"مگر وہ اب مجھ سے نفرت کرنے لگا ہے۔" حوریہ نے تھک کر آنکھیں موند لیں۔

"نہیں وہ تم سے نفرت کر ہی نہیں سکتا۔ وہ مان جائے گا حوریہ تم ایک بار اسے منا کر تو دیکھو۔"

"نہیں سعدی میں ایسا نہیں کر سکتی۔"

"حوریہ اس طرح تو تم اپنی زندگی برباد کر دو گی۔ میاں بیوی کے تعلق میں اگر انا حائل ہو جائے تو سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ تم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہو مگر دونوں ہی اپنی اپنی انا کے خول میں قید ہو۔ ابھی بھی وقت ہے حوریہ تم مناؤ گی تو وہ مان جائے گا۔"

"اف دو بج گئے۔ اب ہمیں سو جانا چاہیے۔" حوریہ نے بات بدل دی اور لیٹ گئی۔ سعدیہ سمجھ گئی کہ اب وہ مزید اس ٹاپک پر بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

♥♥♥

"لیجیے جناب گرما گرم کافی حاضر ہے۔" ہدیٰ کافی کے دو مگ اٹھائے کچن سے نمودار ہوئی۔ اس نے ایک کپ ضمائر شاہ کو تھما دیا۔ وہ کچھ خاموش خاموش سا تھا۔ ہدیٰ نے اس کی غائب دماغی کو شدت سے نوٹ کیا۔

"شاہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟"

"ہاں۔" وہ چونکا۔ "کیا ہوا ہے مجھے؟"

"یہی تو میں پوچھ رہی ہوں۔ تم پہلے جیسے نہیں رہے۔"

"پہلے جیسا ہدیٰ فقط تین ماہ تو ہوئے ہیں ہمیں ایک دوسرے سے شناسا ہوئے اور میں تو ویسا ہی ہوں جیسا اول روز تھا۔"

"غلط بالکل غلط۔ میں دیکھ رہی ہوں تم جب سے حویلی سے ہو کر آئے ہو کچھ الجھے الجھے سے ہو۔ کوئی مسئلہ ہے کیا؟"

"نہیں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"تم نے ماں جی سے بات کی؟"

"کون سی بات؟"

"ضمائر شاہ تم اب مجھے غصہ دلا رہے ہو۔" وہ خفا ہوئی۔

"اوہ اچھا شادی کی بات۔" وہ سمجھ کر بولا۔ "ہدیٰ دراصل......"

"دراصل کا مطلب ہے کہ تم نے بات نہیں کی۔ بہت برے ہو ضمائر شاہ۔" ہدیٰ نے اس کی بات کاٹی۔ ضمائر کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر ایک ٹک اسے دیکھنے لگا۔

"ہدیٰ ایک بات پوچھوں؟"

"کہو۔"

"کیا تمہیں مجھ سے محبت ہے یا محض پسندیدگی ہے۔"

"یہ کیا بات ہوئی بھلا۔ جو پسند ہوتا ہے محبت بھی اسی سے ہوتی ہے۔"

"یہ ضروری نہیں ہے۔ ہمیں زندگی میں بے شمار لوگ پسند ہوتے ہیں تو کیا سبھی سے محبت ہو جاتی ہے۔"

"تم پہلی نظر کی محبت پر یقین رکھتے ہو؟"

"نہیں میرے خیال میں محبت پہلی نظر میں ہو ہی نہیں سکتی۔ ہاں پسند ضرور کیا جا سکتا ہے۔"

"کسی کو پسند کرنا ہی محبت کی پہلی سیڑھی ہے۔"

"مگر محبت ہر کسی سے تو نہیں ہو سکتی۔"

"ایک بات پوچھوں؟"

"ہاں بولو۔"

"مجھ سے پہلے بھی کبھی کسی سے محبت کی تم نے؟" ہدیٰ کے پوچھنے پر ضمائر شاہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ نظروں کے سامنے حوریہ کا چہرہ آ گیا۔



"اگر میرا جواب ہاں میں ہو تو......؟" ضمائر نے کہا تو ہدیٰ ایک لمحے کو خاموش رہ گئی۔

"تو میں یہ بالکل نہیں پوچھوں گی کہ وہ کون تھی۔ کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تم اب مجھ سے محبت کرتے ہو۔ ہیں ناں۔" وہ ہلکی پھلکی ہو کر مسکرائی۔ جانے کیوں ضمائر شاہ مسکرا بھی نہ سکا۔ "سنو تم اتنے بڑے ہو گئے ہو کیا تمہارے گھر والوں کو تمہاری شادی کا خیال نہیں آتا؟"

"کیا مطلب؟"

"اتنے انجان مت بنو۔ اب کیا میں اپنے منہ سے یہ کہتی اچھی لگوں گی کہ......"

"اب ہمیں شادی کر لینی چاہیے۔" ضمائر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے جملہ مکمل کیا۔ ہدیٰ کے لبوں پر شرمگیں مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"ہدیٰ میں چاہتا ہوں کہ شادی سے پہلے ہر بات کلیئر ہو جانی چاہیے۔"

"کون سی بات؟"

"بات دراصل یہ ہے کہ......" اسی لمحے ہدیٰ کا سیل فون بج اٹھا۔ اس نے اسکرین پر نمبر دیکھ کر اوکے کہا۔

"ہیلو۔"

"ہاں واٹ اوہ نو...... مم...... میں ابھی آ رہی ہوں۔" وہ ایکدم گھبرا کر اٹھی تھی۔

"کیا ہوا ہدیٰ؟ اینی پرابلم؟"

"ضمائر وہ...... پاپا......"

"کیا ہوا ابراہیم صاحب کو؟"

"ہارٹ اٹیک۔ مجھے ابھی جانا ہو گا۔"

"میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔" ضمائر اس کے ساتھ ہی اٹھ کر باہر آیا۔ "ریلیکس ہدیٰ ہی ول بی آل رائٹ۔" ضمائر نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے اسے تسلی دی۔ وہ بیٹھی ہونٹ کاٹتی رہی۔ آنسو گالوں سے پھسل پھسل کر اس کی گود میں رکھے ہاتھوں کو بھگو رہے تھے۔

♥♥♥

"حوریہ شادی میں ضرور آنا اور ضمائر بھائی کو ساتھ لانا" سمجھیں اور سنو! محبتوں میں انا کی بات نہیں چلتی۔" جاتے سے سعدیہ نے کہا تو وہ دھیرے سے مسکرائی۔ سعدیہ کو رخصت کر کے اپنے کمرے میں آئی تو حوریہ کی نگاہ ایک پل کو سائیڈ ٹیبل پر پڑی ضمائر شاہ کی تصویر پر ٹھہر گئی۔ دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے نگاہوں میں غرور اور ہر ہر انداز سے ٹپکتا وقار اسے بے حد پرکشش اور وجیہہ بنا رہا تھا۔ وہ بیڈ پر بیٹھ گئی اور فریم اٹھا لیا۔

"وہ تم سے نفرت کر ہی نہیں سکتا۔"

"ضمائر شاہ تم سے بے حد محبت کرتا ہے۔"

"تم مناؤ گی تو وہ مان جائے گا۔" سعدیہ کی باتیں ذہن و دل کے دروازوں پر دستک دینے لگی تھیں۔

"اب کیا فائدہ حوریہ شاہ۔ جب منانے کا وقت تھا وہ تم نے جھوٹی انا اور نفرت کی نذر کر دیا۔ وہ تو دوسری شادی کر کے مطمئن ہو گا۔ ہدیٰ ابراہیم کے ساتھ زندگی انجوائے کر رہا ہو گا۔" اسے پتا بھی نہ چلا اور آنسو پلکوں کے بند توڑ کر بہہ نکلے۔

"میں ہار گئی ضمائر شاہ میں ہار گئی۔" اس کی تصویر کو سینے سے بھینچ کر وہ رو دی۔

"حوریہ۔" ماں جی کی آواز پر وہ چونکی۔ وہ یوں شرمندہ ہوئی جیسے چوری کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہو۔

"ج...... جی ماں جی۔" تصویر کو ایک طرف رکھ کر وہ لب کاٹنے لگی۔

"تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟"

"کک...... کیا ماں جی۔"

"یہی کہ تم ضمائر شاہ سے الگ نہیں رہ سکتیں۔"

"میں نے یہ کب کہا؟"

"اس طرح رونا اور تصویروں سے باتیں کرنا۔ میں بھی کتنی بے وقوف ہوں۔ مجھے تمہیں ضمائر شاہ کے ساتھ ہی بھیجنا چاہیے تھا۔"

"نن...... نہیں ماں جی میں یہیں ٹھیک ہوں۔"

"وہ نالائق بھی شہر جا کر بیٹھ ہی گیا ہے۔ اتنے دن لگا دیے۔ نہ کوئی فون نہ خیر خبر۔ کل شام کو ضماد اور ہادیہ واپس آ رہے ہیں۔ میں ضمائر کو بلواتی ہوں کہ تمہیں اپنے ساتھ لے کر جائے۔"

"ماں جی مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ میں خوش ہوں۔"

"جو خوش ہوتے ہیں۔ ان کے چہرے تمہاری طرح بے رونق نظر نہیں آتے۔ تم اپنی ضروری پیکنگ کر لینا۔ مریم کا چیک اپ بھی کروانا ہے۔ چند ایک روز میں ہم شہر جائیں گے۔" ماں جی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ حوریہ خفت سی محسوس کرنے لگی۔ دل کی چوری پکڑے جانے پر وہ شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔

♥♥♥

ابراہیم بیگ کو ہونے والا ہارٹ اٹیک شدید تھا اور ڈاکٹرز نے کہہ دیا تھا کہ انہیں بے حد محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ہدیٰ نے تو رو رو کر اپنا برا حال کر لیا تھا۔ ہر باپ کی طرح ابراہیم بیگ بھی چاہتے تھے کہ ان کی زندگی میں ہی ہدیٰ اپنے گھر کی ہو جائے۔

ضمائر شاہ انہیں شروع دن سے پسند تھا۔ اتنا بڑا کاروبار وہ کسی بااعتبار کو سونپنا چاہتے تھے۔ بیٹی کی پسند ان کی بھی پسند تھی۔

"بیٹا! میں اب مزید ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ میری خواہش ہے کہ مرنے سے پہلے ہدیٰ کو اس کے گھر کا کر دوں۔"

"پاپا پلیز، یہ وقت ایسی باتوں کا نہیں ہے۔ آپ ٹھیک ہو جائیں تو......"

"ضمائر! میں چاہتا ہوں کہ جلد از جلد تم دونوں کا نکاح کر دوں۔" وہ ہدیٰ کی بات نظر انداز کر کے ضمائر سے مخاطب ہوئے۔

"ٹھیک ہے سر مگر میرے گھر والوں کا اتنی جلدی آنا ممکن نہیں۔"

"کیوں؟"

"کچھ فیملی پرابلمز ہیں۔ ہمارا خاندان کچھ روایت پرست ہے اس لیے کچھ وقت تو لگے گا۔"

"تم ہدیٰ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟"

"آف کورس۔"

"پھر ٹھیک ہے۔ تم ہدیٰ سے نکاح کر لو۔ رخصتی وغیرہ کا بعد میں طے کر لیں گے۔ مجھے اب ایک لمحے کا بھی بھروسہ نہیں زندگی پر۔ جانے کب موت آ جائے۔ کم از کم مجھے یہ اطمینان تو ہوگا کہ میری بیٹی محفوظ ہاتھوں میں ہے۔ کل صبح پہلا کام یہی کرنا ہے۔"

"ٹھیک ہے جیسے آپ چاہیں۔ میں چلتا ہوں اب۔ انشاء اللہ کل صبح حاضر ہوں گا۔ ہدیٰ اگر کوئی پرابلم ہو تو مجھے کال کر لینا۔ اللہ حافظ۔" ہدیٰ اسے باہر تک چھوڑنے آئی۔ "اپنا خیال رکھنا۔ کوئی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ضمائر شاہ کے کہنے پر وہ دھیرے سے مسکرائی۔ گاڑی مین روڈ پر ڈالتے ہوئے وہ عجب خالی الذہنی کی سی کیفیت میں تھا۔ یونہی ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر آن کر دیا۔ اس کے پاس غزلوں کی بہترین کلیکشن تھی۔

وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا
اب اس کا حال بتائیں کیا

فریدہ خانم کی آواز اس کے دل کے تاروں کو دھیرے دھیرے چھیڑنے لگی تھی

کوئی مہر نہیں کوئی قہر نہیں
پھر سچا شعر سنائیں کیا
وہ عشق......

وہ لب بھینچے سنتا رہا۔ یہ اس کی پسندیدہ غزل تھی۔ اسے خالی پن کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کی یہ کیفیت کس وجہ سے تھی۔ ہر کام اس کی مرضی سے ہو رہا تھا۔ اس نے حوریہ سے دوسری شادی کے اجازت نامے پر دستخط بھی کروا لیے تھے۔ ہدیٰ اسے پسند تھی اور وہ اس سے شادی بھی کرنا چاہتا تھا۔ جلد یا بدیر اسے ہدیٰ سے شادی تو کرنی ہی تھی اور کل وہ ہدیٰ سے نکاح کرنے والا تھا۔ اس کا بزنس بھی خوب ترقی کر رہا تھا۔ بزنس کمیونٹی میں وہ خاصا اونچا مقام حاصل کر چکا تھا۔ بظاہر سب کچھ ٹھیک تھا مگر پھر بھی کہیں نہ کہیں کچھ ایسا ضرور تھا جو اسے بے کل کیے ہوئے تھا۔ سب کچھ تھا اور کچھ بھی نہیں تھا۔

جب جسم ہی سارا جلتا ہو
پھر دامن دل کو بچائیں کیا
اس نے ریوائنڈ پش کیا۔
جب جسم ہی سارا جلتا ہو
پھر دامن دل کو بچائیں کیا



ایک بار دو بار سہ بار...... گھر پہنچنے تک وہ گیارہ بار یہ شعر سن چکا تھا۔

"سائیں! کھانا لگاؤں؟" اس کے اندر داخل ہوتے ہی ملازمہ نے دریافت کیا۔ وہ نفی میں سر ہلاتا اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گیا۔ رات دیر تک وہ جاگتا رہا۔ بظاہر نگاہیں ٹی وی اسکرین پر تھیں مگر ذہن کہیں اور تھا سونے کے لیے لیٹا تو دھیان ایکدم ہدیٰ کی طرف چلا گیا۔ آنکھیں بند کیں تو حوریہ کا چہرہ نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول لیں۔ اسی آنکھ مچولی میں جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ صبح موبائل بجنے پر اس کی آنکھ کھلی۔ نمبر عاشر کا تھا۔ عاشر اس کا دوست تھا اور رات ہی اس نے عاشر کو فون کر کے صبح آنے کا کہا تھا۔

"ہاں عاشر خیریت؟"

"ضمائر میرے بہنوئی کا انتقال ہو گیا ہے اس وجہ سے میں آ نہیں سکتا۔ میں اور میرے گھر والے وہیں جا رہے ہیں۔" وہ شاید راستے میں تھا۔ بیک گراؤنڈ میں ٹریفک کا شور تھا۔

"اوہ ویری سیڈ۔" اس نے چند اور رسمی کلمات کے بعد فون بند کر دیا۔ ہلکا پھلکا ناشتا کرنے کے بعد اس نے ہدیٰ کو فون کیا۔

"کیا کر رہی ہو؟"

"ناشتا۔"

"اگر تم یہ کہتیں کہ میرا انتظار کر رہی ہو تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی۔"

"انتظار کرنا مجھے پسند نہیں۔"

"جو مزا محبوب کے انتظار میں ہے وہ وصل میں کہاں۔"

"تم بہت بدتمیز ہو رہے ہو ضمائر شاہ۔" فون پر بھی ضمائر شاہ محسوس کر سکتا تھا کہ وہ اس کی بات پر بلش ہو گئی تھی۔ وہ مسکرا دیا۔

"ابراہیم صاحب کی طبیعت کیسی ہے؟"

"پہلے سے بہت بہتر ہے۔"

"او کے میں ابھی کچھ دیر میں آ رہا ہوں۔"

"اللہ حافظ اینڈ ٹیک کیئر۔" ہدیٰ نے فون بند کر دیا۔ بارہ بجے کے قریب وہ گھر سے نکلا۔ اس نے گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے ایک بار مڑ کر دیکھا۔ ذہن میں وہ منظر واضح ہو گیا۔ جب آخری بار حوریہ کو دیکھا تھا۔ برآمدے میں بچھے لکڑی کے قدیم طرز کے منقش تخت پر بیٹھی نگاہیں ایک نقطے پر مرکوز کیے۔ وہ سر جھٹک کر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ گیٹ سے نکلتے ہوئے ایک بار پھر بیک ویو مرر پر نظر ڈالی۔ وہ اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اداسی کا تاثر اس کی آنکھوں میں تیرتا نظر آیا۔ ضمائر نے شدومد سے سر جھٹکا اور زن سے گاڑی اڑا لے گیا۔

ماں جی، مریم اور حوریہ، سلمان شاہ کے ہمراہ شہر کے لیے صبح نو بجے روانہ ہوئے تھے۔ ڈیڑھ بجے وہ ضمائر شاہ کے گھر کے گیٹ پر موجود تھے۔ چوکیدار نے مستعدی سے گیٹ کھولا۔ آن کی آن میں سب ملازمین اکٹھے ہو گئے۔ حوریہ اندر جاتے ہوئے عجیب سی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی۔ اسے لگا ابھی کہیں سے ہدیٰ ابراہیم نکل کر آئے گی اور پوچھے گی کہ آپ کون ہیں جو منہ اٹھا کر میرے گھر میں گھس آئے ہیں۔

"میرے گھر۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔

"حوریہ! ابھی تک باہر کیوں کھڑی ہو۔ اندر آؤ ناں۔" سلمان شاہ نے رک کر اسے پکارا۔ وہ چونک گئی۔ ابھی تک وہ برآمدے کی سیڑھیوں پر کھڑی تھی۔ ماں جی اور مریم اندر جا چکی تھیں۔

"مریم! تم کچھ دیر آرام کر لو۔ بیٹھے بیٹھے تھک گئی ہوگی۔ حوریہ بیٹے تم بھی جا کر آرام کرو۔" ماں جی دونوں سے مخاطب ہوئیں۔ پھر مڑ کر ملازمہ کو کھانے وغیرہ کی ہدایت دینے لگیں۔ سلمان شاہ اور اس کے پیچھے پیچھے مریم اٹھ کر چلی گئی۔

"ماں جی! آپ بھی تو تھکی ہوئی ہیں۔" حوریہ نے کہا۔

"تم آرام کرو جا کر۔ میری فکر نہ کرو۔ میں جب تک اپنے بیٹے کی صورت نہیں دیکھوں گی مجھے چین نہیں آئے گا۔" ماں جی کے کہنے پر وہ اٹھ کر اندر چلی آئی۔ نرم و گداز بیڈ پر لیٹے ہوئے کافی دیر ہو گئی مگر نیند تھی کہ آنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔ اس کے دل کی عجیب سی حالت ہونے لگی۔ وہ اٹھ کر ادھر ادھر ٹہلنے لگی۔ عجب بے کلی سی تھی کسی انہونی کے ہونے کا دھڑکا لگا تھا۔ وہ گھبرا کر باہر نکل آئی۔ کچن میں خانساماں کھانا بنا رہا تھا۔ اس نے فریج میں سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالی مگر دو گھونٹ بھر کر واپس رکھ دی۔

"صاحب دفتر سے کب تک آ جاتے ہیں؟" اس نے سامنے سے گزرتی ملازمہ سے دریافت کیا۔ وہ اب لاؤنج میں

رکھے صوفے پر بیٹھ چکی تھی۔

"بی بی! اکثر رات کو دیر سے گھر آتے ہیں۔" ملازمہ نیچے بیٹھ گئی۔

"اس گھر میں اور کون کون رہتا ہے؟"

"صاحب کے علاوہ میں' میرا مرد' دو مالی ہے جی' چوکیدار اور خانساماں ہے جی۔"

"اور؟" وہ جانے کیا پوچھنا چاہ رہی تھی۔

"اور تو کوئی نہیں جی۔" ملازمہ نے زور زور سے نفی میں سر ہلایا۔

"میرا مطلب ہے صاحب سے ملنے کون کون آتا ہے؟"

"صاحب کے دوست آتے ہیں جی اور......" ملازمہ ایکدم چپ ہوگئی۔

"اور کون آتا ہے؟"

"وہ...... صاحب کی...... بی بی مجھے نہیں معلوم۔"

"دیکھو مجھ سے جھوٹ مت بولو۔ تمہیں پتا ہے۔" وہ کچھ سخت ہوگئیں تو ملازمہ ڈر گئی۔

"بی بی! ہم تو نوکر لوگ ہیں۔ وہ جی اگر صاحب کو پتا چل گیا جی تو......"

"انہیں کچھ پتا نہیں چلے گا۔ تم بتاؤ۔" وہ کچھ نرم پڑ گئی۔

"وہ ان سے ملنے ایک لڑکی آتی ہے۔"

"روزانہ آتی ہے؟" اس نے بھنوئیں سکیڑتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں جی' کبھی کبھی تو سارا دن یہیں رہ جاتی ہے اور کبھی آکر صاحب کو اپنے ساتھ لے جاتی ہے۔"

"وہ رات کو یہیں ہوتی ہے؟"

"نا جی نا۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا۔"

"اچھا تم جاؤ۔" ملازمہ کو بھیج کر وہ صوفے کی پشت سے سر ٹکا کر بیٹھ گئی۔ "ضمائر شاہ کتنے چالاک ہو تم دوسری بیوی کو الگ گھر میں رکھا ہوا ہے۔ تاکہ کسی کو شک نہ پڑے۔" دیوار گیر گھڑیال نے چار بجنے کا اعلان کیا۔ اسی لمحے فون بج اٹھا۔ مگر وہ یونہی بیٹھی رہی۔

"اوفوہ حوریہ' فون اتنی دیر سے بج رہا ہے اٹھا کیوں نہیں رہیں۔" سلمان شاہ جھنجلایا ہوا اندر سے نکلا۔

"ہیلو۔"

"جی ہاں۔ انہی کا گھر ہے۔"

"واٹ؟ کون سے اسپتال میں؟ میں آتا ہوں۔" سلمان شاہ فون رکھ کر تیزی سے پلٹا۔

"ادا! کس کا فون تھا؟" حوریہ کو اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آئے۔

"اسپتال سے فون تھا۔ ضمائر کا ایکسی ڈنٹ ہوگیا ہے۔"

"ادا! یہ...... یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔

"میں اس وقت اسپتال جارہا ہوں۔ تم پریشان مت ہونا۔"

"ادا میں...... میں بھی ساتھ چلوں گی۔" اسے پتا بھی نہ چلا اور آنسو بہہ نکلے۔

"نہیں ابھی نہیں۔ میں پہلے خود جاؤں گا۔ وہاں پہنچ کر تمہیں فون کردوں گا۔ ماں جی اور مریم کو ابھی کچھ مت بتانا۔"

"سلمان شاہ موبائل اور گاڑی کی چابیاں اٹھاتا باہر کی طرف دوڑا۔ حوریہ گم سم رہ گئی۔ بالآخر انہونی ہوگئی تھی۔

"تم ایسا نہیں کرسکتے۔ ضمائر شاہ یہ بے ایمانی ہے۔" وہ چاہتے ہوئے بھی اپنی چیخوں کا گلا نہیں گھونٹ سکی تھی۔ ماں جی اور مریم اس کے چلانے پر دوڑی چلی آئیں۔ ہچکیوں کے دوران اس نے ماں جی اور مریم کو ضمائر کے ایکسی ڈنٹ کے متعلق بتایا۔ ماں جی تو دل تھام کر رہ گئیں۔ مریم کی اپنی حالت ایسی نہ تھی کہ اتنا شاک برداشت کرسکتی مگر اس نے بہ مشکل خود کو کمپوز کیا اور سلمان شاہ کے موبائل پر رنگ کیا۔

"سلمان! ادا ٹھیک تو ہیں؟ کوئی خطرے کی بات تو نہیں۔"

"نہیں وہ اب خطرے سے باہر ہیں۔ تم پلیز زیادہ ٹینشن مت لو۔ ابھی کچھ دیر میں اسے ہوش آجائے گا۔" سلمان کی تسلی پر اس کی جان میں جان آئی۔

"ہم اسپتال آجائیں؟"

"پاگل ہوئی ہو کیا۔ یہاں آکر کیا کرو گی تم لوگ۔ آرام سے گھر بیٹھ کر دعا کرو۔ وہ ٹھیک ہے۔ زیادہ پریشانی والی کوئی بات نہیں ہے جب اسے ہوش آجائے گا تو میں خود تم لوگوں کو لینے آجاؤں گا۔" سلمان نے فون بند کردیا۔ ماں جی تو مصلے پر جا بیٹھی تھیں۔ حوریہ پتھرائی نظروں سے چھت کو گھور رہی تھی۔



مریم کے لبوں پر دعائیں تھیں۔ اسی لمحے کوئی دھاڑ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ وہ تینوں چونک گئیں۔ آنے والی ہدیٰ ابراہیم تھی۔ وہ بھی ضمائر شاہ کے گھر میں تین تین خواتین کو دیکھ کر ایک دم رک گئی۔

"ضمائر شاہ کہاں ہے؟" اس نے دریافت کیا۔

"آپ کون ہیں؟" مریم نے پوچھا۔

"میں جو بھی ہوں۔ مجھے صرف اتنا بتائیے کہ وہ گھر پر ہے یا نہیں۔" وہ اس وقت شدید غصے میں تھی۔

"نہیں۔" مریم نے چڑ کر جواب دیا۔ یوں بھی وہ سخت پریشان تھی۔

"کہاں گیا ہے وہ؟" حوریہ کو سو فیصد یقین تھا کہ یہ ہدیٰ ابراہیم ہی تھی۔ بھلا کوئی اور اتنے دھڑلے سے اس کے بارے میں دریافت کرسکتی تھی۔

"وہ کہاں ہے۔ مجھے بتاتے کیوں نہیں آپ لوگ۔" کوئی جواب نہ پاکر وہ چلائی۔

"لڑکی! ہمیں مزید پریشان مت کرو۔ ہم پہلے ہی مصیبت میں ہیں۔" سدا کی حلیم الطبع ماں جی بھی چڑ کر گویا ہوئیں۔

"ان کا ایکسی ڈنٹ ہوگیا ہے۔ وہ اسپتال میں ہیں۔" حوریہ کے بتانے پر وہ اس کی طرف گھومی۔

"واٹ؟ کب؟ کہاں؟ کیسے؟ اب کیسا ہے وہ؟ کون سے اسپتال میں ہے؟" اس نے گھبرا کر ایک ہی سانس میں سارے سوال کر ڈالے۔

"ہمیں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔" حوریہ کے کہنے پر ہدیٰ ایک خاموش نگاہ ان تینوں پر ڈالتی باہر کی طرف بڑھ گئی۔

سلمان شاہ بے حد پریشان تھا۔ ضمائر کو ابھی تک ہوش نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹرز کے مطابق اس کی بائیں ٹانگ میں بہت معمولی سا فریکچر تھا اور سر پر بھی چوٹیں آئی تھیں۔ خون کافی بہہ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے اس کی حالت خطرے میں تھی۔ گھر والوں کو تو جھوٹی تسلیاں دے دی تھیں مگر خود بے حد ٹینس تھا۔ اسے لگا وہ تنہا یہ سب ہینڈل نہیں کرسکتا۔ فون کرکے حویلی اطلاع دی اور ضماد شاہ کو فوراً آنے کا کہا۔ اس دوران وہ بار بار گھر پر بھی فون کرتا رہا۔ ضماد شاہ اور عنایت شاہ رات دس بجے کے قریب اسپتال پہنچے۔ ضمائر شاہ کو ابھی بھی ہوش نہیں آیا تھا۔

عنایت شاہ جوان بیٹے کی یہ حالت دیکھ کر رو پڑے تھے۔

"سلمان! تم بابا سائیں کو لے کر گھر جاؤ۔ میں ہوں یہاں پر۔" ضماد نے کہا۔ سلمان خود بھی کافی تھک چکا تھا۔ وہ عنایت شاہ کو لے کر گھر آگیا۔ ماں جی' حوریہ اور مریم بے تابی سے ان کی طرف بڑھی تھیں۔

"مجھے میرے بیٹے کے پاس لے جاؤ۔" ماں جی کی ایک ہی ضد تھی۔ سلمان نے بڑی مشکل سے انہیں سمجھایا۔ آدھے گھنٹے بعد ضماد کا فون آیا۔ ضمائر کو ہوش آچکا تھا۔

"حوریہ! تم میرے ساتھ چلو۔ رات کو اس کے پاس کسی کا ہونا ضروری ہے۔" سلمان کے کہنے پر حوریہ تیار ہوگئی۔ ماں جی بھی ساتھ ہولیں۔ ضمائر کو ابھی مکمل طور پر ہوش نہیں آیا تھا۔ وہ ابھی تک آئی سی یو میں تھا۔ گلاس وال کے پار پٹیوں میں جکڑے وجود کو دیکھ کر وہ آبدیدہ ہوگئی۔ ماں جی کمال ضبط کا مظاہرہ کررہی تھیں۔ سلمان ماں جی کو لے کر گھر آگیا۔ ساری رات حوریہ نے جاگتے ہوئے گزاری تھی۔ صبح چھ بجے ضمائر کی حالت سنبھلی تو اسے پرائیویٹ روم میں شفٹ کردیا گیا۔ کچھ ہی دیر بعد ماں جی اور مریم سلمان شاہ کے ہمراہ چلی آئیں۔ حوریہ کو ماں جی نے ضماد شاہ کے ساتھ زبردستی گھر بھیج دیا۔ ملازمہ کو چائے بنانے کا کہہ کر وہ کمرے میں چلی گئی۔ ساری رات بیٹھے بیٹھے کمر اکڑ گئی تھی۔ نرم و گداز بیڈ پر لیٹی تو قدرے سکون کا احساس ہوا۔ اسی لمحے سامنے میز پر پڑا اسیل فون بج اٹھا۔ جس روز اس کا ایکسی ڈنٹ ہوا تھا وہ موبائل ہمراہ لے جانا بھول گیا تھا۔ حوریہ نے کچھ سوچتے ہوئے Talk پش کیا۔

"ہیلو شاہ آر یو آل رائٹ؟" دوسری طرف سے چھوٹتے ہی پوچھا گیا تھا۔

"آپ کون؟" ضمائر شاہ کے نمبر پر زنانہ آواز سن کر ایک لمحے کو ہدیٰ رکی۔

"آپ ضمائر کی......"

"حوریہ شاہ...... حوریہ شاہ کہتے ہیں مجھے۔ ضمائر نے ذکر تو کیا ہوگا۔" اس کا لہجہ نہ چاہتے ہوئے بھی عجیب سا ہوگیا۔

"نہیں ضمائر نے کبھی ذکر نہیں کیا۔" ہدیٰ کے کہنے پر جانے کیوں حوریہ کو ہتک کا احساس ہوا۔ وہ شاید یہ توقع نہیں کررہی تھی کہ ضمائر شاہ نے اس کا ذکر نہیں کیا ہوگا۔

"کیا آپ مجھے بتا سکتی ہیں کہ وہ اس وقت کون سے اسپتال میں ہے؟" مسلسل خاموشی پر ہدیٰ نے پوچھا۔

"ایک بات پوچھوں؟"

"جی کہیے۔"

"ضمائر تو آپ سے شادی کرنے والا تھا ناں۔"

"جی ہاں مگر آپ کو......"

"مجھے سب پتا ہے۔ وہ یہ بات میرے علاوہ اور کسی سے کر ہی نہیں سکتا تھا۔" ایک زخمی سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر بکھر گئی۔

"آپ نے بتایا نہیں کہ آپ کا ضمائر سے کیا رشتہ ہے؟"

"یہ آپ اسی سے پوچھیے گا۔ وہ صحیح طور پر بتا سکے گا۔ اینی وے اسپتال کا نام اور روم نمبر میں آپ کو بتا دیتی ہوں۔" ہدیٰ سے بات کرنے کے بعد وہ موبائل ہاتھ میں لیے کچھ دیر اسے گھورتی رہی۔ پھر اپنے ہینڈ بیگ میں سے اس کی اور چیزیں نکالیں جو رات ہی اس نے ضماد شاہ سے لی تھیں۔ گاڑی کی چابیاں، والٹ، گلاسز جو بری طرح ٹوٹ چکے تھے۔ اس نے والٹ کھولا۔ ہزار ہزار کے کرنسی نوٹوں کے علاوہ کریڈٹ کارڈز تھے۔ چند وزیٹنگ کارڈز تھے۔ ضمائر کا آئی ڈی کارڈ تھا۔ وہ کچھ دیر آئی ڈی کارڈ پر لگی اس کی تصویر کو دیکھتی رہی۔ پھر جانے کیا ہوا تمام چیزیں سمیٹ کر بیڈ کی دراز میں ڈال دیں۔

"میری نظر میں ہر وہ عورت کریکٹر لیس ہے جو اپنے شوہر یا منگیتر کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے مرد کی طرف بڑھتی ہے۔"

"مجھے دوسری شادی کے لیے تمہاری اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔"

"شادی تو بہر حال مجھے ہدیٰ ابراہیم سے کرنی ہی ہے۔"

"میرا خیال ہے تمہیں میری دوسری شادی پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔" ضمائر شاہ کی باتیں ذہن کے ایوانوں میں گردش کرنے لگی تھیں۔ وہ گھبرا کر باہر نکل گئی۔

پورے ایک دن بعد اسے مکمل ہوش آیا تھا۔ دھیرے دھیرے آنکھیں کھولتے ہوئے اس نے پہچاننے کی کوشش کی کہ وہ کہاں تھا۔ اٹھنے کی کوشش کی تو کراہ کر رہ گیا۔ پورا بدن دکھ رہا تھا۔ دائیں بازو میں ڈرپ لگی تھی۔ بائیں ٹانگ پلاسٹر میں جکڑی تھی۔ سر پر پٹی بندھی تھی۔ سینے پر بھی خراشیں آئی تھیں۔ وہاں بھی بینڈیج کی گئی تھی۔ دفعتاً اس کی نظر بیڈ کے دائیں طرف پڑی کرسی پر بیٹھی حوریہ پر پڑی۔ وہ شاید بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی۔ اسی لمحے سلمان شاہ اندر داخل ہوا تھا۔

"تھینک گاڈ تمہیں ہوش آ گیا۔ اب کیسی طبیعت ہے؟" ضمائر کو اٹھتا دیکھ کر وہ بولا تھا۔ اس کی آواز پر حوریہ بھی چونک کر اٹھ گئی۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ سارا دن ماں جی اور ادا ضماد اسپتال میں رہے تھے۔ عنایت شاہ وقتاً فوقتاً چکر لگاتے رہتے تھے۔ حویلی سے بھی کئی بار فون آ چکا تھا۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھنے لگا۔ سلمان نے اس کی پشت پر تکیے درست کیے۔

"پانی پلانا یار۔" وہ سلمان سے مخاطب ہوا۔ حوریہ نے سلمان کے اشارے پر پانی کا گلاس اس کی طرف بڑھایا اس سے پہلے کہ اس کے لبوں تک گلاس لے جاتی' ضمائر نے خود گلاس تھام لیا۔ حوریہ نے اس کے گریز کو شدت سے محسوس کیا۔ سلمان ڈاکٹر کو بلانے کی غرض سے باہر چلا گیا۔ حوریہ نے ایک چور نظر ضمائر پر ڈالی۔ وہ سنجیدہ سی شکل بنائے بیٹھا تھا۔ حوریہ نے دیکھا وہ اب ارد گرد نظر دوڑا رہا تھا۔ پھر دونوں سائیڈ ٹیبلز پر نگاہ دوڑائی۔

"کچھ چاہیے کیا؟" اس نے لب کشائی کی۔

"نہیں۔" بے رخی سے جواب ملا۔ گویا اس کی ناراضگی برقرار تھی۔ سلمان کے ہمراہ ڈاکٹر اندر داخل ہوا۔

"جی شاہ صاحب کیسا فیل کر رہے ہیں اب؟" ڈاکٹر نے خوشدلی سے دریافت کیا۔ جواباً وہ دھیرے سے مسکرایا تھا۔ ڈاکٹر نے کچھ چیک اپ وغیرہ کیا۔ کھانے پینے کے بارے میں ضروری ہدایات دیں اور چلا گیا۔ حوریہ کو نیند آ رہی تھی۔ کرسی پر بیٹھی وہ بار بار جھکولے لے رہی تھی۔

"تم سو جاؤ۔ مجھے تمہاری تیمار داری کی ضرورت نہیں ہے۔" جلا کٹا انداز حوریہ کے دل میں برچھی کی طرح کھب گیا۔ حوریہ نے تیور اکر اس کی طرف دیکھا۔ بہ مشکل خود کو کوئی سخت بات کہنے سے باز رکھا۔ وہ دوبارہ لیٹ گیا۔ سلمان آیا تو حوریہ اٹھ کر سامنے رکھے صوفہ کم بیڈ پر جا کر بیٹھ گئی۔

"حوریہ! تم سو جاؤ۔ تھک گئی ہو گی۔ میں جاگ رہا ہوں۔" سلمان کے کہنے پر وہ چادر اوڑھ کر لیٹ گئی۔ حقیقتاً اتنی

تھی کہ کچھ ہی دیر میں غافل ہوگئی مگر وہ زیادہ دیر سو نہ سکی تھی۔ صبح نماز سے کچھ پہلے ہی اس کی آنکھ خود بخود کھل گئی۔ سلمان بھی اٹھ کر شاید نماز پڑھنے چلا گیا تھا۔ وہ نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تو ماں جی کا فون آگیا۔ مریم کی طبیعت اچانک بگڑ گئی تھی۔ اسے میٹرنٹی ہوم لے کر جارہے تھے۔ سلمان تو سنتے ہی سرپٹ دوڑا۔ حوریہ کے لبوں پر مریم کے لیے دعائیں مچل رہی تھیں۔ ضمائر ابھی تک سو رہا تھا۔ وہ باہر جاکر اسپتال کے لان کا چکر لگا آئی۔ گلاب کے سرخ' گلابی اور سفید پھول توڑ لیے۔ واپس آئی تو ضمائر جاگ رہا تھا۔

''السلام علیکم!'' اس نے سائیڈ ٹیبل پر رکھے گلدان سے پرانے پھول نکال کر تازہ پھول سجائے۔ ضمائر نے سر ہلا کر سلام کا جواب دیا۔

''ناشتہ کریں گے آپ؟''

''میں پہلے منہ ہاتھ دھونا چاہتا ہوں۔'' وہ بے زار بے زار سا دکھائی دیا۔ شیو بھی بڑھی ہوئی تھی۔ بیڈ ٹیبل کھینچ کر اس کے سامنے کیا۔ ایک باؤل میں پانی لاکر رکھا۔ صابن' برش' ٹوتھ پیسٹ اور شیونگ کٹ بھی لاکر رکھ دی۔ حوریہ نے دیکھا وہ خاصا جھنجلایا ہوا لگ رہا تھا۔ حوریہ باہر نکل گئی۔ کچھ دیر بعد واپس آئی تو وہ نکھرا نکھرا لگ رہا تھا مگر خون کی کمی کی وجہ سے چہرہ زردی مائل ہو رہا تھا۔

''ناشتا بنا دوں؟'' اس نے سب چیزیں سمیٹنے کے بعد پوچھا۔

''اگر زحمت نہ ہو تو۔'' وہی جلا کٹا لہجہ حوریہ نے ناشتا بنا کر دیا۔ ناشتا کرتے ہوئے اسے ہدیٰ ابراہیم کا خیال آیا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ اسے اسپتال میں ایڈمٹ ہوئے کتنے دن ہوچکے تھے۔ اسے یاد آیا کہ جس روز اس کا ایکسی ڈنٹ ہوا وہ ہدیٰ کی طرف ہی جارہا تھا۔ ذہن الجھا ہوا تھا۔ بار بار نگاہوں کے سامنے حوریہ کا چہرہ آجاتا تھا۔ اس کشمکش میں وہ سامنے سے آتے ٹرالر کو نہیں دیکھ پایا تھا۔ اس کے بعد اسے کوئی ہوش نہیں رہا تھا۔ اسے اسپتال کس نے اور کب پہنچایا' وہ نہیں جانتا تھا۔ اردگرد کیلنڈر کے لیے نگاہ دوڑائی۔ سامنے دیوار پر نظر آگیا۔

''آٹھ اکتوبر یعنی آج تیسرا دن ہے۔'' وہ بڑبڑایا۔ پھر حوریہ کی طرف دیکھا۔ وہ اپنے ناخنوں سے کھیل رہی تھی۔ اسی لمحے ہدیٰ ابراہیم اندر داخل ہوئی۔

''تم اس طرح لیٹے ہوئے بالکل بھی اچھے نہیں لگ رہے۔'' اپنے ازلی شوخ انداز میں گویا ہوئی۔ سرخ و سفید گلابوں کا بکے اس کی طرف بڑھایا۔ ضمائر نے مسکرا کر بکے تھام لیا۔

''میں کل بھی آئی تھی مگر...... شاید تمہاری فیملی آئی ہوئی ہے۔ ایسی وے تم اب فٹافٹ ٹھیک ہو جاؤ۔ بے ایمان۔'' اس نے ضمائر شاہ کے بال بگاڑے۔ حوریہ سے اتنی بے تکلفی برداشت نہیں ہو پا رہی تھی۔ وہ اس ماحول میں خود کو مس فٹ محسوس کرتے ہوئے باہر نکل گئی۔ ہدیٰ اپنی جھونک میں پیچھے بیٹھی حوریہ کو دیکھ ہی نہ سکی تھی۔

''تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ کوئی اور بھی موجود ہے۔'' وہ اب شکوہ کر رہی تھی۔

''تم نہیں سدھرو گی۔ یہ بھی میں ہی بتاتا کہ......''

''اچھا چھوڑو تم بتاؤ اب کیسی طبیعت ہے؟''

''بہتر ہے۔ ابراہیم صاحب کیسے ہیں؟''

''اب تو ٹھیک ہیں۔ اس روز تم آئے نہ کوئی فون کیا۔ پاپا تو بری طرح پریشان ہوگئے تھے۔ بڑی مشکل سے بہانہ کر کے انہیں مطمئن کیا۔''

''اور تم...... تم کیسے مطمئن ہوئیں؟''

''مجھے تو تم پر اتنا غصہ آیا کہ حد نہیں۔ دل کہتا تھا کہ تم دھوکے باز نہیں ہوسکتے۔ مگر غصہ اتنا شدید تھا کہ بس...... میں تو تمہارے گھر پہنچ گئی تھی تاکہ تم سے دو دو ہاتھ ہوسکیں۔'' وہ اپنی بات کے اختتام پر خود ہی ہنسی۔ ضمائر یہ سن کر پریشان ہوگیا کہ وہ اس کے گھر گئی تھی۔ ''مجھے تو سب کا رویہ بہت عجیب لگ رہا تھا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ سب تمہارے ایکسی ڈنٹ کی وجہ سے پریشان تھے۔'' ضمائر شاہ خاموش رہا۔

''سنو یہ حوریہ شاہ کون ہے؟'' ہدیٰ کے منہ سے حوریہ کا نام سن کر وہ چونکا۔

''تم کیسے جانتی ہو اسے؟''

''بھئی میں نے تمہارے موبائل پر رنگ کیا تھا تو کال اسی نے ریسیو کی تھی۔''

''ہاں وہ...... وہ کزن ہے میری اور......'' ضمائر کی بات وہیں رہ گئی۔ ضماد شاہ اندر داخل ہوا تھا۔ ہدیٰ ابراہیم کو دیکھ کر ایک لمحے کو رکا۔ حوریہ کے باہر بیٹھنے کی وجہ اب سمجھ میں آئی

تھی۔

"ادا! یہ ہدیٰ ہے اور ہدیٰ میٹ مائی برادر ضماد شاہ۔" ضمائر نے تعارف کی رسم نبھائی۔ ہدیٰ نے ضماد شاہ کو سلام کیا پھر ضمائر کو گیٹ ویل سون وش کرتی باہر نکل گئی۔ ضماد شاہ نے ہدیٰ کے متعلق کچھ نہیں پوچھا تھا۔ محض ایک خاموش نگاہ ضمائر پر ڈالی۔

"مریم کی بیٹی پیدا ہوئی ہے۔" ضماد نے اطلاع دی۔

"مریم کیسی ہے؟"

"ابھی ہوش نہیں آیا اسے لیکن وہ ٹھیک ہے بچی بھی صحت مند ہے۔"

وہ ذرا کی ذرا رکا۔ "حوریہ نظر نہیں آرہی۔ واش روم میں ہے کیا؟" وہ انجان بن کر پوچھ رہا تھا۔

"ہاں...... نہیں...... شاید باہر گئی ہے۔" ضماد نے ایک گہری نظر ضمائر شاہ پر ڈالی۔ وہ بھائی سے اتنے بھی لاتعلق نہیں تھے جتنا وہ انہیں سمجھتا تھا۔ ضمائر شاہ کی سرگرمیوں کی ساری رپورٹ ان کے پاس تھی۔ وہ محض مناسب وقت کے انتظار میں تھے۔

"ایک بات کہوں ضمائر شاہ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے یہ سوچ لینا کہ تمہارے ہر عمل کا اثر تمہاری بہن کے گھر پر بھی پڑے گا۔" بات خاصی معنی خیز تھی۔ ضماد شاہ یہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ ضمائر اپنے بھائی کی زیرک نگاہی اور معاملہ فہمی کا قائل ہو گیا۔ اس نے تھک کر آنکھیں موند لیں۔

دو ہفتے اسپتال میں رہنے کے بعد وہ گھر شفٹ ہو گیا تھا مریم سلمان شاہ اور عنایت شاہ واپس حویلی جا چکے تھے۔ ولایت شاہ کے ہمراہ بی بی جان زرینہ پھوپو اور دعا بھی ایک دن کے لیے شہر آئی تھیں۔ ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا تھا جس کی وجہ سے وہ سہارے کے بغیر چل پھر نہیں سکتا تھا۔ اس کے مزاج میں چڑچڑا پن اور بے زاری کے عنصر شامل ہو گئے تھے۔ حوریہ سے وہ بہت کم مخاطب ہوتا تھا۔ اگر بات کرتا بھی تو ایسے جلے کٹے انداز میں کہ وہ سنگ کر رہ جاتی۔ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کہتی جانے کیوں وہ ایسی ہو گئی تھی۔ ماں جی کے سامنے وہ خاموش ہی رہتا تھا۔ ہدیٰ ہر دوسرے دن آتی تھی۔ ضمائر شاہ جز بز ہو کر رہ جاتا۔ ماں جی منہ سے کچھ نہ کہتی تھیں مگر ضمائر شاہ جانتا تھا کہ انہیں ہدیٰ کا یوں ہر دوسرے دن آجانا پسند نہیں تھا۔ وہ بیٹا تھا اور ماں کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے واقف تھا۔

ایک چیز جو اسے اچنبھے میں ڈال رہی تھی وہ حوریہ کی مسلسل خاموشی تھی۔ اب تک وہ ہر کام اس کی توقع کے برعکس کر رہی تھی۔ وہ یہ توقع کر رہا تھا کہ دوسری شادی کا سن کر ہی حوریہ ہتھے سے اکھڑ جائے گی مگر اس کا ردعمل بالکل مختلف تھا۔ اس نے خاموشی سے اجازت نامے پر دستخط کر دیے تھے۔ ہدیٰ ابراہیم کا یوں روز روز آنا بھی اس کی خاموشی کو نہیں توڑ سکا تھا۔ لاشعوری طور پر وہ حوریہ کا شدید ردعمل دیکھنے کا متمنی تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ حوریہ چیخے چلائے ہدیٰ کی آمد پر ناگواری کا اظہار کرے مگر نہیں...... وہ تو سبک روی سے بہتی ندی کی طرح پرسکون تھی جس میں پھینکا جانے والا کوئی بھی پتھر اس میں ارتعاش پیدا نہ کر سکا تھا۔ حوریہ کا یہ رویہ ضمائر شاہ کو بھی بھی جھنجلانے لگتا تھا۔ اس کے مزاج میں مزید چڑچڑاپن پیدا ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ اب وہ ہدیٰ ابراہیم کی آمد پر بھی خوش دلی کا اظہار نہ کر پاتا تھا۔ ایک اور بات جو اسے تنگ کر رہی تھی وہ گھر والوں کا رویہ تھا۔ کسی نے بھی ہدیٰ کی بابت دریافت نہیں کیا تھا۔ یہ محض اتفاق ہی تھا کہ عموماً ہدیٰ اس وقت آتی تھی جب ضماد شاہ گھر پر نہیں ہوتا تھا۔ ماں جی اکثر نماز، قرآن، وظائف وغیرہ میں مشغول ہوتی تھیں۔ حوریہ ہدیٰ کے آنے پر جانے کہاں غائب ہو جاتی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ ہدیٰ نے بھی کبھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی کہ اس کے گھر والوں کی بابت دریافت کرے یا ان سے تعارف حاصل کرے۔ وہ شاید صرف اور صرف ضمائر شاہ کے لیے آتی تھی۔

"تمہیں کیا ہو گیا ہے شاہ۔ میں پاگلوں کی طرح بیٹھی بولتی رہتی ہوں اور تم ہوں ہاں میں سر ہلاتے رہتے ہو۔ کیا سوچتے رہتے ہو؟" ہدیٰ نے ایک روز جھلا کر کہا۔

"کچھ نہیں۔" اس نے سر نفی میں ہلایا۔

"تمہارا پلاسٹر کب کھل رہا ہے؟" اس نے بات بدل دی۔

"پتا نہیں اگرچہ فریکچر زیادہ سیریس نہیں ہے مگر کچھ دن تو لگیں گے ناں۔"

"شاہ میں سوچ رہی ہوں کہ پاپا کو بائی پاس کے لیے لندن لے جاؤں مگر پاپا چاہتے ہیں کہ پہلے میرا نکاح ہو جائے۔"

"اور تم...... تم کیا چاہتی ہو؟"



"میرے چاہنے نہ چاہنے سے کیا ہوگا۔ میں وہی چاہوں گی جو تم اور پاپا چاہو گے۔" وہ ایک ادا سے مسکرائی۔

"ایک بات بتاؤ اگر میں شادی شدہ ہوتا تو کیا تم پھر بھی مجھ سے شادی کر لیتیں؟" جانے کیوں وہ پوچھ بیٹھا۔ ہدیٰ ایک لمحے کو بے یقینی سے اسے دیکھتی رہی پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"جب تم شادی شدہ ہو ہی نہیں تو پھر میں ایسی بات سوچوں بھی کیوں؟"

"اور اگر میں کہوں کہ میری شادی ہو چکی ہے تو؟" ہدیٰ بے یقینی سے اس کا چہرہ تکنے لگی۔ اس گھڑی وہ ضمائر شاہ کی آنکھوں میں کوئی بھی تاثر تلاشنے میں ناکام رہی۔

"مذاق مت کرو ضمائر شاہ۔" وہ ٹھٹکی۔

"ہدیٰ! میں مذاق نہیں کر رہا۔" وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ ہدیٰ منہ کھولے اس کا چہرہ تکنے لگی۔ ضمائر شاہ کی آنکھوں میں دور دور تک کسی شرارت کا عکس نہ تھا۔

"حوریہ شاہ...... کیا یہ تمہاری بیوی ہے؟" ہدیٰ نے دریافت کیا۔ ضمائر نے چند لمحوں کا توقف کیا۔ "نہیں، نہیں، نہیں۔ کم آن ضمائر شاہ کہہ دو نہیں۔" ہدیٰ کا دل بہت تیز تیز دھڑک رہا تھا اور پھر اسے لگا جیسے آسمان اس کے سر پر آ پڑا ہو۔ اس نے ضمائر شاہ کا سر اثبات میں ہلتے دیکھا۔ وہ بنا کچھ کہے اپنا ہینڈ بیگ اٹھاتی باہر نکلتی چلی گئی۔ ضمائر جہاں خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا وہیں ایک دکھ کا انجانا سا احساس بھی تھا۔ "مجھے یہ سب ہدیٰ کو پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا۔"

کئی روز گزر گئے ہدیٰ نے اس سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا۔ اس نے ایک بار فون کر کے پتا کیا تو معلوم ہوا وہ اپنے والد کو لے کر لندن جا چکی تھی۔ ماں جی حوریہ اور ضمائر کو ڈھیروں ہدایات دیتی حویلی چلی گئیں۔ ضماد شاہ اور سلمان شاہ وقتاً فوقتاً چکر لگاتے رہتے تھے۔ ضمائر وہیل چیئر کے سہارے گھر میں ہی اندر باہر کے چکر لگاتا رہتا تھا۔ فون اور کمپیوٹر کے ذریعے اپنے آفس کے معاملات سنبھالے ہوئے تھا۔ فیکٹری کا منیجر تقریباً روزانہ آتا تھا۔ ضماد اور سلمان بھی اس کے آفس کا چکر لگاتے رہتے تھے۔ وہ حوریہ سے بہت کم مخاطب ہوتا تھا۔ عجب بے لطف سی زندگی تھی دونوں کی۔ وہ دونوں سارا سارا دن بنا کوئی بات کیے گزار دیتے تھے۔ دو ماہ بعد اس کی ٹانگ پر سے پلاسٹر اترا تھا۔ معمولی سا فریکچر تھا جو دو ماہ میں ہی صحیح ہو گیا تھا۔ ورنہ چھ سات ماہ تو کہیں نہیں گئے تھے۔ ضمائر نے آفس جانا شروع کر دیا تھا۔

"میں حویلی واپس جانا چاہتی ہوں۔" وہ فائلوں میں سر دیے بیٹھا تھا جب حوریہ کے کہنے پر چونکا۔

"یہاں کیا تکلیف ہے تمہیں؟" وہ مصروف سے انداز میں گویا ہوا۔

"میں اپنی وجہ سے آپ کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتی۔" ضمائر شاہ فائل بند کر کے اس کی طرف گھوم گیا۔

"اوہ بڑا خیال ہے تمہیں میری ڈسٹربنس کا۔" وہ طنز سے گویا ہوا۔

"میری وجہ سے آپ کی بیوی نے یہاں آنا چھوڑ دیا ہے شاید۔" وہ رخ موڑ گئی۔ ایک لمحے کو وہ رکا۔ پھر کچھ سمجھ آنے پر زیر لب مسکرایا۔

"تم تو خاصی سمجھداری کی باتیں کرنے لگی ہو۔" لہجہ دل جلانے والا تھا۔ جانے کیوں آنکھیں دھندلانے لگی تھیں۔ بڑی مشکل سے پلکیں جھپک جھپک کر آنسوؤں کا گلا گھونٹا وہ ضمائر شاہ کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ ضمائر شاہ نے ایک بھرپور نگاہ اس پر ڈالی۔ فیروزی سوٹ پر گہری نیلی شیفون کی شال اوڑھے بنا کسی سنگھار کے سادگی کا شاہکار لگ رہی تھی۔ وہ عین اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ حوریہ نے گڑبڑا کر نظریں جھکائی تھیں۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے آنسو ضمائر شاہ کو نظر آئیں۔

"اس طرح نظریں چرانے کا مطلب سمجھتی ہو؟" ضمائر شاہ نے دائیں ہاتھ سے اس کا چہرہ اوپر کیا۔ بہت ضبط کرنے کے باوجود بھی دو آنسو بہہ نکلے۔ گلابی لبوں کا ارتعاش قیامت خیز تھا۔ ضمائر الجھ سا گیا۔ وہ اس کا ہاتھ جھٹکتی باہر نکل گئی۔ ضمائر کتنے ہی لمحے ساکت کھڑا رہا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ حوریہ شاہ کے آنسو تو کوئی اور ہی کہانی سنا رہے تھے۔ یہ آنسو آزادی سلب ہونے کے نہیں بلکہ ندامت کے تھے۔ شاید نارسائی کا دکھ اسے رلا رہا تھا۔ یہ تو وہ کب سے دیکھ رہا تھا کہ حوریہ شاہ کے رنگ ڈھنگ بولنے کا انداز سب بدل گیا تھا۔ جانے وہ کیوں اتنی خاموش ہو گئی تھی۔ پہلے کی طرح اس کی نگاہوں میں سرد مہری نظر نہیں آتی تھی۔

حوریہ اپنے بیڈروم کے دروازے کو لاک کر کے وہیں فرش پر بیٹھتی چلی گئی۔ جانے کیوں آج رونے کو جی چاہ رہا تھا۔

محبت...... محبت اگر مل جائے تو ہر پل' ہر گھڑی چھن جانے کا خوف رلاتا ہے اور نہ ملے تو نارسائی کا دکھ رلاتا ہے۔ کیا ہے یہ محبت؟ ایک آفاقی جذبہ' محبوب کے دل کے تاروں کو چھیڑنے والی مدھری موسیقی یا کسی نصیبوں جلے کے دل سے نکلنے والی دکھ بھری آہ!

موسیقار نے کہا محبت ایسا راگ ہے جو دلوں کے تار اس خوب صورتی سے چھیڑتا ہے کہ سننے والا خود بخود مست ہو جاتا ہے۔

گلوکار نے کہا محبت ایک خوب صورت گیت ہے جو دلوں کو گرماتا ہے۔

قوال نے کہا محبت ایک ایسا الاپ ہے جو سننے والوں پر وجد طاری کر دیتا ہے۔ شاعر نے کہا محبت آگ ہے' محبت ذات ہے۔

مصور نے کہا محبت زندگی کے مختلف رنگوں سے سجی ایک تصویر ہے جو دیکھنے والوں کو تازگی بخشتی ہے۔ کسان نے کہا محبت ہری بھری فصل ہے جس کا نظارہ نگاہوں کو تراوٹ بخشتا ہے۔

مزدور نے کہا محبت سارے دن کی محنت کے بعد ملنے والی اجرت ہے۔ سورج نے کہا محبت روشنی ہے تو چاند نے کہا محبت چاندنی ہے۔ پھول نے کہا محبت ایک مسحور کن خوشبو ہے جو نشہ بن کے حواسوں پر چھا جاتی ہے۔

فرشتوں نے کہا کہ خدائے بزرگ و برتر کی عبادت ہی محبت ہے اور انسان...... انسان نے کہا محبت عبادت ہے۔ محبت پوجا ہے' محبت کلیسا ہے' محبت مندر ہے' محبت مسجد ہے اور اسی محبت نے جب رلایا تو آگ کی صورت کہلائی۔

خدا کو اپنے بندوں سے
کبھی بندوں کو بچوں سے
کبھی بچوں کو رنگوں سے
کبھی رنگوں کو پھولوں سے
کبھی پھولوں کو خوشبوؤں سے
کبھی جھونکوں کو صحراؤں سے
کبھی صحراؤں کو بوندوں سے
کبھی بوندوں کو دریاؤں سے
اور مجھے تم سے محبت ہے

''محبت ہے' ہاں محبت ہے۔ ضمائر شاہ مجھے تم سے محبت ہے۔ میں وہ چڑیا ہوں جسے صیاد سے محبت ہو گئی ہے۔'' وہ زندگی میں پہلی بار اس طرح ٹوٹ کر روئی تھی۔

اگلی صبح اپنے دامن میں قیامت لیے نمودار ہوئی تھی۔ دعا کو شدید زخمی حالت میں اسپتال لایا گیا تھا۔ وہ آئی سی یو میں تھی۔ یہ اطلاع فون پر سلمان شاہ نے دی تھی۔ حوریہ نے تو سنتے ہی ضمائر کے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔

''ضمائر! وہ...... وہ...... دعا'' آنسوؤں کے درمیان وہ اتنا ہی بول پائی تھی۔

''کیا ہوا دعا کو؟'' وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا۔ ایک دم گھبرا کر پلٹا۔

''وہ اسپتال میں ہے۔ ادا سلیمان کا فون آیا تھا۔''

حوریہ کو ساتھ لے کر وہ اسپتال پہنچا۔ اسپتال کے کاریڈور میں ماں جی' زرینہ پھوپھو' ضماد شاہ' عنایت شاہ اور ہادیہ شاہ متفکر سے کھڑے تھے۔ دعا کی حالت خطرے میں تھی۔

''ہوا کیا تھا؟'' ضمائر شاہ نے پوچھا۔ اس کے پاس کھڑی ہادیہ یکدم نظریں چرا گئی۔

''ادا میں نے کچھ پوچھا ہے۔''

''سکندر کے ساتھ جھگڑا ہوا اور......''

''میں اس کا خون پی جاؤں گا وہ......'' ضمائر شاہ ضماد کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی غرایا۔

''حوصلہ رکھو۔ یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔'' عنایت شاہ نے آگے بڑھ کر بیٹے کے شانے پر ہاتھ دھرا۔ اسے ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی وہ دانت پیستا ادھر سے ادھر کاریڈور میں چکر کاٹ رہا تھا۔ آنکھیں لہو رنگ ہو رہی تھیں۔ حوریہ ماں جی کو دلاسا دے رہی تھی۔ تین گھنٹے کے میجر آپریشن کے بعد ڈاکٹر نے جو روح فرسا خبر سنائی اسے سن کر سب کے حواس کھونے لگے۔ ماں جی بے ہوش ہو گئیں۔ زرینہ پھوپھو اور ہادیہ کے بین' حوریہ کی آہ و بکا' عنایت شاہ کے جھکے کندھے اور آنسو' ضمائر شاہ تو یہ سب دیکھ کر پاگل ہوا تھا۔

''میں سکندر کو جان سے مار دوں گا۔ میری معصوم بہن کا قاتل......''



''تم...... تم نے کیا ہے یہ سب۔ اب تو خوش ہو گئے ہو۔ عورتوں کو اپنی جاگیر سمجھنے والے روایتی فیوڈل لارڈ۔ ارے تم لوگوں نے تو عورت کو باندی سمجھ رکھا ہے۔ پڑ گئی ٹھنڈ تمہارے کلیجے میں۔ مرد کی آمریت جیت گئی اور ایک اور مظلوم عورت ظلم کی بھینٹ چڑھ گئی۔'' بالکل اچانک حوریہ دوڑتی ہوئی آئی اور ضمائر شاہ کا گریبان تھام لیا۔ وہ جو منہ میں آ رہا تھا بولے چلی جا رہی تھی۔ ضمائر نے اپنا گریبان اس کے ہاتھوں سے چھڑا لیا۔ دوسرے ہی لمحے وہ اس کے بازوؤں میں گر کر بے ہوش ہو چکی تھی۔

سکندر شاہ نے نشے کی حالت میں دعا کو بری طرح پیٹا تھا۔ اس کا قصور صرف اتنا تھا کہ اس نے سکندر شاہ سے گھر دیر سے آنے کی وجہ دریافت کی تھی۔ رات کے تین بج رہے تھے۔ اس سنگدل نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ وہ اس کے بچے کی ماں بننے والی تھی۔ چند روز تک ڈلیوری متوقع تھی۔ جوتوں کی ضربیں' گھونسے' تھپڑ اور دیوار سے ٹکرانے کی وجہ سے وہ بری طرح زخمی ہو گئی تھی۔ ڈاکٹرز کی جان توڑ کوشش بھی اسے موت کے منہ میں جانے سے نہیں روک سکی تھی۔ البتہ اس کے بیٹے کو بچا لیا گیا تھا جو کسی تجربے سے کم نہیں تھا۔ زرینہ پھوپھو بیٹے کی وجہ سے بری طرح شرمندہ تھیں۔ سکندر شاہ جانے کہاں فرار ہو گیا تھا۔ بچہ زرینہ پھوپھو کے پاس تھا۔

حوریہ کو چند گھنٹوں بعد ہی ہوش آ گیا تھا۔ ماں جی کی حالت کافی بری تھی۔ وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں تھیں۔ دعا کی ڈیڈ باڈی لے کر وہ سب حویلی پہنچ چکے تھے۔ ایک کہرام برپا تھا۔ مہروز شاہ نے دبے لفظوں میں دعا کی میت اپنے گھر لے جانے کا کہا تو ضمائر شاہ بھڑک اٹھا۔ حیات شاہ نے سلیقے سے بات کو سنبھالا۔ تدفین سوئم وغیرہ سب ہو گیا۔ حویلی کے در و دیوار پر موت کا سا سناٹا تھا۔ حیات شاہ کا زیادہ وقت باہر مردان خانے میں ہی گزرنے لگا تھا۔ انہیں ماں جی کی نگاہوں میں شکایت نظر آتی تھی اور عنایت شاہ کی آنکھوں میں سرد مہری کا تاثر۔ ضمائر شاہ نے تو ان سے بات کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ حوریہ کے دل میں حیات شاہ کے لیے نفرت کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ یہ سب ان کا کیا دھرا تو تھا۔ یہ بچپن کے رشتے ناتے انہوں نے ہی تو طے کیے تھے۔ رفتہ رفتہ سب کچھ معمول پر آتا گیا۔ سکندر شاہ کا کچھ پتہ نہ تھا۔ ضمائر شاہ کا خیال تھا کہ یہ سب ڈھکوسلا ہے۔ زرینہ پھوپھو اور مہروز شاہ کو سب پتا ہے کہ وہ کہاں چھپا ہوا ہے۔ ہادیہ بھابی اپنی جگہ چور سی بن گئی تھیں۔ اگرچہ گھر والوں کا رویہ ان کے ساتھ نارمل تھا مگر ماں جی کچھ سنجیدہ ہو گئی تھیں۔ شاید یہ ایک ماں کا فطری ردعمل تھا۔ حوریہ نے ضمائر شاہ کے ساتھ شہر جانے سے انکار کر دیا تھا۔ ضمائر نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا تھا۔ دونوں کے درمیان خلیج کچھ اور بڑھ گئی تھی۔

ضمائر شاہ آفس سے لوٹا تو لاؤنج میں بدی ابراہیم کو بیٹھا دیکھ کر ٹھٹک کر رک گیا۔

''ہیلو کیسے ہو ضمائر شاہ؟'' بدی کا لہجہ دوستانہ تھا ویسا ہی جیسا پہلے ہوا کرتا تھا۔

''ہوں...... ٹھیک ہوں تم سناؤ۔'' وہ چونکا اور اندر داخل ہوا۔

''اچھی ہوں۔'' وہ مختصر جواب دے کر سینٹر میں بچھے قالین کے پرنٹ کو غور سے دیکھنے لگی۔

''ابراہیم صاحب کیسے ہیں؟''

''ان کا بائی پاس ہو گیا ہے۔ ناؤ ہی از او کے۔''

''یہ تو خوشی کی خبر ہے۔ مبارک ہو۔'' اس نے کہا اور پھر ملازمہ کو آواز دے کر کھانا لگانے کا کہا۔

''تمہاری بیوی کیسی ہے؟'' بدی کے دریافت کرنے پر ضمائر نے ایک گہرا سانس لیا۔

''ٹھیک ہے وہ بھی۔ تم کب آئیں یو کے سے؟'' وہ بات بدل گیا۔

''پرسوں آئی تھی۔''

''تم بیٹھو۔ میں کپڑے چینج کر کے ابھی آتا ہوں۔ کھانا ساتھ کھائیں گے۔'' وہ اٹھ کر چلا گیا۔ بدی نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ کھانا خاصے خاموش سے ماحول میں کھایا گیا۔ بدی محض اس کا ساتھ دینے کی غرض سے بیٹھی تھی۔ ضمائر نے ایک نظر اس کے کھوئے کھوئے سے انداز پر ڈالی۔ وہ تھوڑے سے چاول پلیٹ میں ڈالے چمچ سے کھیل رہی تھی۔ اسے تاسف نے گھیر لیا۔ وہ ایک نازک سے احساسات رکھنے والی لڑکی کا دل توڑنے کا جرم کر بیٹھا تھا۔ اس نے ایکدم کھانے سے ہاتھ روک لیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس سے کیا بات کرے؟ کس طرح بات کرے؟ وہ تو اس کی نظروں میں بے وفا

اور غیر معتبر ٹھہرا تھا۔ منزل تک پہنچ کر اسے واپس جو لوٹا دیا تھا۔

"میری منگنی ہو رہی ہے۔" ہدیٰ نے اطلاع دی۔ ضمائر شاہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"مبارک باد نہیں دو گے؟" ہدیٰ عجیب سے انداز میں مسکرائی تو وہ ایک دم کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

"ہدیٰ! میں تم سے شرمندہ ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ مجھے کیا کہنا چاہیے۔ میں چاہتا تھا کہ تمہیں سب کچھ بتا دوں۔ ہر بار بولنے کا' کچھ بتانے کا قصد کرتا مگر الفاظ ساتھ چھوڑ دیتے۔ سوچتا تھا کہیں تمہیں کھو نہ دوں۔ تم یہ سب سن کر ناراض نہ ہو جاؤ اور وہی ہوا۔"

"اس میں تمہارا قصور نہیں۔ میری قسمت میں ایسا ہونا لکھا تھا۔ دل پر چوٹ زندگی میں ایک نہ ایک بار تو لازمی لگتی ہے۔ سو میرے ساتھ بھی یہی ہوا۔"

"مگر میں تم سے محبت......"

"پلیز ضمائر شاہ' یہ محبت نہیں محض وقتی جذباتیت تھی اور میں اسے محبت سمجھ بیٹھی۔ پاگل تھی ناں' جانتے ہو ضمائر شاہ تم حوریہ کے سوا کسی اور سے محبت کر ہی نہیں سکتے۔ میں نے دیکھا ہے' ہاں میں نے بارہا تمہاری آنکھوں میں اس کا عکس دیکھا ہے۔ تم بات مجھ سے کر رہے ہوتے ہو اور تمہارا ذہن' تمہارا دل کہیں اور ہوتا ہے۔ تم دیکھ مجھے رہے ہوتے ہو مگر سوچ کہیں اور پرواز کر رہی ہوتی ہے۔ حوریہ شاہ سے ملی ہوں میں۔ ایک دو بار بات بھی کی ہے اس سے۔ وہ تو ہر لحاظ سے ایک مکمل لڑکی ہے پھر تمہیں کسی اور طرف دیکھنے کی ضرورت کیونکر پیش آئی؟" وہ جواب طلب نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"تم کچھ نہیں جانتیں ہدیٰ ابراہیم یہ محض مجبوری کا سودا ہے۔ وہ مجھ سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتی تھی۔"

"کیوں؟" وہ شاید حیران ہوئی تھی۔

"یہ ایک لمبی داستان ہے۔"

"ضمائر شاہ۔ میں نے اس کی نگاہوں میں اپنے لیے ناپسندیدگی کے جذبات دیکھے ہیں۔ جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ وہ بھی تم سے محبت کرتی ہے۔"

"ہا...... محبت۔" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "خیر چھوڑو تم سناؤ تمہاری منگنی کس سے ہو رہی ہے؟"

"میرا پرانا کلاس فیلو ہے۔ شرجیل زبیری' انگلینڈ میں ہوتا ہے۔"

"مبارک ہو۔ میں شاید تم جیسی اچھی لڑکی کے قابل نہیں تھا۔ تقدیر نے......"

"شش۔" ہدیٰ نے لبوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ "ہمارا المیہ یہ ہے کہ جب ہم کچھ کر نہیں پاتے تو تقدیر کو دوش دینے لگتے ہیں۔ اینی وے میں آج تم سے آخری بار ملنے آئی تھی۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"مجھے انوائیٹ نہیں کرو گی؟"

"نہیں کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ عین منگنی والے روز تمہیں دیکھ کر منگنی سے انکار کر بیٹھوں اور شرجیل وہ تو مجھے قتل کروا دے گا۔" وہ خود ہی ہنسی۔ آنکھوں میں بھر آنے والے آنسوؤں کا گلا اپنی کھوکھلی ہنسی سے گھونٹتے ہوئے وہ باہر نکل گئی۔ گاڑی اسٹارٹ کرنے تک اس کے آنسو پلکوں کے بند توڑ چکے تھے۔

گاڑی مین روڈ پر دوڑ رہی تھی اور اسی رفتار سے اس کے آنسو بہہ رہے تھے۔

فون کافی دیر سے بج رہا تھا۔ مجبوراً اسے اٹھنا پڑا۔

"ہیلو۔"

"کیسی ہو حوریہ؟"

"سعدی...... یہ تم ہو۔" اسے خوشگوار حیرت ہوئی۔

"میں یاد کروں تو کروں۔ تم بھی بھولے سے بھی زحمت نہ کرنا۔" سعدیہ کے گلے پر وہ واقعی شرمندہ ہو گئی۔

"تم سناؤ میاں صاحب کیسے ہیں؟"

"بہت اچھے' حوریہ کی بچی تمہارے جیسی بے وفا اور بے مروت دوست تو خدا کسی کو نہ دے۔ تم میری شادی پر کیوں نہیں آئی تھیں؟"

"سوری یار دراصل انہیں دنوں ضمائر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔"

"اوہ اب کیسے ہیں وہ؟"

"اب تو ٹھیک ہیں۔ ٹانگ میں فریکچر ہو گیا تھا۔ دو تین ماہ تو لگ گئے صحت یابی میں اور...... اور سعدی...... وہ دعا......" حوریہ کی آواز رندھ گئی۔

"کیا ہوا دعا کو؟"

"وہ چلی گئی سعدی' وہ چلی گئی۔ ان ظالم رواجوں کی



بھینٹ چڑھ گئی وہ۔ بچپن میں طے کیے گئے رشتوں کی خاطر قربان ہو گئی۔ ہاں سعدی وہ لڑتے لڑتے تھک گئی تھی۔" حوریہ بری طرح رو دی تھی۔ سعدیہ ایک شاک کی سی کیفیت میں تھی۔

"حوریہ! تم روؤ نہیں پلیز اچھا یہ بتاؤ ضمائر بھائی کے ساتھ صلح ہوئی تمہاری؟"

"چھوڑو کوئی اور بات کرو۔" حوریہ کا لہجہ اسے سب کچھ بتا گیا۔

"تو کیا وہ دوسری شادی کر چکا ہے؟"

"شاید میں اس سلسلے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی۔"

"حوریہ! غیر جانبداری سے دیکھا جائے تو اس سارے قصے میں تمہارا قصور زیادہ ہے۔ وہ شمیل خان ارے ہاں میں تو بھول ہی گئی۔ میں نے تو فون ہی اسی لیے کیا تھا۔ آج کا اخبار دیکھا ہے تم نے؟"

"نہیں کوئی خاص خبر ہے کیا؟"

"بہت خاص اور اہم تم فوراً اخبار پڑھو۔ ملک کے ہر بڑے اخبار کی فرنٹ پیج اسٹوری ہے۔"

"آخر بات کیا ہے؟"

"یہ تم خود ہی دیکھنا۔ اچھا میں پھر فون کروں گی۔ خدا حافظ۔" حوریہ نے فون بند کرنے کے بعد ملازمہ کو آواز دی اور اسے اخبار لانے کا کہا۔ گھر میں انگریزی اور اردو کے چار پانچ اخبار آتے تھے۔ سب میں ایک ہی خبر کو ہائی لائٹ کیا گیا تھا۔

"ملک کے نامور اور بااثر خاندانوں کے لڑکوں اور لڑکیوں کو پھنسا کر بلیک میل کرنے والا گروہ پکڑا گیا۔ گروہ کی روح رواں نجمہ بیگم عرف صالحہ آنٹی اور اس کے خاص کارندوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہ گرفتاری ملک کے ایک بااثر سیاسی خاندان کی مدد سے عمل میں لائی گئی۔ اس گروہ میں نوجوان لڑکے اور لڑکیاں شامل ہیں جو بااثر خاندانوں کے لڑکے لڑکیوں کو پہلے پہل پیار محبت کا جھانسہ دے کر پھنساتے ہیں اور پھر ان کو تصاویر اور ویڈیو فلموں کے ذریعے بلیک میل کیا جاتا ہے اور ان کے ذریعے دولت سمیٹنے کا کام بھی کیا جاتا ہے۔ ماجد عرف شمیل خان اس گروہ کا ایک سرگرم رکن ہے۔ ملک کی مشہور بوتیک کی مالک مسز شیرازی بھی بزنس کی آڑ میں اس گروہ کے کالے کرتوتوں میں برابر کی حصہ دار ہے۔ اس گروہ کی......"

حوریہ کا تو کاٹو تو لہو نہیں والا حال تھا۔ اس سے آگے وہ پڑھ ہی نہ سکی تھی۔ گرفتار ہونے والوں کی تصاویر بھی چھپی تھیں جن میں سے چار چہرے تو وہ آنکھیں بند کر کے پہچان سکتی تھی۔ ہتھکڑیوں میں جکڑے' چہرہ چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے صالحہ آنٹی' زوبی' مسز شیرازی اور شمیل خان۔ "اف میرے خدا۔" اس نے خشک ہوتے لبوں پر زبان پھیری۔ اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ "اتنا بڑا دھوکہ' اتنا فریب' زوبی جو میری دوست ہونے کا دعویٰ کرتی تھی اور...... اور شمیل خان...... کیا میں اس جیسے شخص سے محبت کرنے کا دعویٰ کرتی تھی؟" اسے اپنے آپ سے گھن آنے لگی تھی۔

"ایک آوارہ شخص کی خاطر تم اپنے خاندان کی عزت داؤ پر لگانے چلی تھیں۔"

"وہ جسے تم عورت کی عزت اور تقدس کا علمبردار سمجھتی ہو بہت جلد اس کی اصلیت جان جاؤ گی۔"

"کتنا صحیح کہا تھا تم نے ضمائر شاہ اور میں نے کہا تھا۔ "جسے تم آوارہ کہہ رہے ہو۔ تم سے لاکھ درجے بہتر ہے۔ عورت کی عزت کرنا جانتا ہے۔ عورت کا مقام جانتا ہے۔ وہ ایک سیلف میڈ انسان ہے تمہاری طرح بگڑا رئیس زادہ نہیں ہے۔"

وہ ابھی تک ورطۂ حیرت میں تھی۔ "شمیل خان سے ملاقات مسز شیرازی کے توسط سے ہوئی۔ یونیورسٹی میں زوبی کا مجھ سے ملنا' ہاسٹل میں میرے برابر کمرہ لینا' صالحہ آنٹی کے ہاں شمیل خان کا ملنا' اف میرے خدا۔" اس نے کڑی سے کڑی ملائی۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی مگر رو رہی تھی۔ اسے اپنے آپ سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ وہ جو سب سے منفرد ہونے کا دعویٰ کیا کرتی تھی' کتنی بے وقوف نکلی تھی۔

"اگر اس روز ضمائر شاہ مجھے زبردستی نہ لے کر آتا تو......" آگے سوچ کر ہی اس نے جھرجھری لی۔ ضمائر شاہ کا مقام اس کے دل میں ایکدم ہی بڑھ گیا تھا۔ "میں' حوریہ شاہ سمجھتی تھی کہ رواجوں سے ٹکرا جاؤں گی۔ ضمائر شاہ کے بارے میں میرا خیال تھا آکسفورڈ جیسے تعلیمی ادارے سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد بھی اس کی سوچ روایتی آمریت پسند مردوں جیسی ہے۔ دعا والے معاملے میں اس کی خاموشی' مجھے گلہ تھا کہ اس نے دعا کی فیور میں ایک لفظ نہیں کہا۔ وہ بھائی تھا چاہتا

تو بہت کچھ کرسکتا تھا مگر میں شاید بھول گئی تھی کہ یہ تمام فیصلے بڑے شاہ کے تھے اور ان پر عمل درآمد کا حق بھی ان کے پاس محفوظ تھا۔ مجھے لگتا تھا کہ ضمائر شاہ کی سوچ بہت جاہلانہ اور انداز بے حد گھٹیا اور عامیانہ ہے۔ اگر نگاہوں کو پڑھ لینے کا فن جانتی ہوتی تو جان جاتی کہ روح کی پاکیزگی اور نظر کا احترام کیا چیز ہوتی ہے۔ میں بیک وقت تین مردوں کی نگاہوں کے حصار میں تھی۔ سکندر شاہ جس کی نگاہوں سے ٹپکتی خباثت اور لہجے کا عامیانہ اور گھٹیا پن میں نوعمری سے ہی پہچاننے لگی تھی۔ مجھے سکندر شاہ کا وجود زہریلے ناگ سے زیادہ کریہہ لگتا تھا۔ شمیل خان جس کی باتیں‘ جس کا انداز‘ جس کی نشست و برخاست کس قدر مہذب لگتی تھی۔ اس کا یہی انداز تو مجھے متاثر کرتا تھا۔ میں اپنی خاندانی روایتوں سے باغی ہو رہی تھی اور میرے ان باغیانہ خیالات کو مہمیز شمیل خان کے خیالات نے دی تھی۔ وہ عورت کے مقام اور عورت کے تقدس و احترام پر گھنٹوں بولتا تھا اور میں اسی سحر میں کھوئی رہ جاتی مگر اس کی نگاہوں میں لکھی بالکل متضاد تحریر کو نہ پڑھ پاتی۔ وہ مجھے بغور دیکھا کرتا تھا اور نظر جما کر دیکھتا تھا۔ مجھے اکثر اس کے اس انداز پر الجھن ہوتی مگر میں جانے کیوں کچھ نہ کہہ پاتی تھی۔ ضمائر شاہ اگرچہ وہ مجھے کبھی بھی اچھا نہیں لگا تھا مگر اس کی نگاہوں میں اپنے لیے احترام کی تحریر دیکھی تھی۔ میں اس کے ہر عمل کا منفی پہلو دیکھتی تھی۔ اس نے مجھے شمیل خان سے ملنے سے منع کیا تو میں نے اس بات پر غور کرنے کی زحمت ہی نہ کی کہ وہ ایسا کیوں کہہ رہا ہے۔ وہ مرد تھا اور لوگوں کے متعلق جانتا تھا مگر میں اس کے روکنے کو اس کی حاکمیت پسند فطرت پر محمول کرتی رہی۔ شمیل خان جو کچھ زبان سے کہتا تھا اس کی نگاہیں اس کے بالکل برعکس تاثرات رکھتی تھیں جب کہ ضمائر شاہ کی گفتگو میرے لیے اس کے جذبات کا اظہار‘ میری ہر بات کا جواب ایسے انداز میں دینا کہ میں تپ جاتی مگر اس کی نظریں کبھی بھی احترام اور تقدس جیسے احساسات سے عاری نہیں لگتی تھیں۔ میں اسے نفس کا غلام سمجھتی تھی مگر میرے ان خیالات کی نفی بھی ہوگئی جب میں سرتاپا سنگھار کیے اس کے نام کی سیج پر بیٹھی تھی۔ میں ذہنی طور پر خود کو اس کے ہر برے سلوک کے لیے تیار کرچکی تھی۔ وہ چاہتا تو میرے ساتھ برا سلوک کرسکتا تھا۔ میں اس وقت اس کی دسترس میں تھی۔ میرے روم روم پر اس کا اختیار تھا۔ مگر میرے اندازے کتنے غلط ثابت ہوئے جب اس نے مجھ پر ایک سرسری اچٹتی نگاہ ڈالنا بھی گوارہ نہ کیا۔ میرا خیال تھا کہ ضمائر شاہ نفس کے ہاتھوں مجبور ہوکر میرے سامنے جھک جائے گا اور میں اسے بری طرح دھتکار دوں گی مگر سب کچھ الٹ ہوا۔ بھلا ہے کوئی ایسا شخص جو بااختیار ہوتے ہوئے بھی اپنے اختیارات استعمال نہ کرے۔ ”ہاں ایسا شخص ہے اور وہ ضمائر شاہ ہے۔“ اس کے آنسو اب تھم چکے تھے۔ بے اختیار اس کا جی چاہا کہ خدا کے حضور سجدہ ریز ہوکر اس کی لامحدود عنایات کا شکرانہ ادا کرے۔ وہ وضو کرنے کی غرض سے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

♥♥♥

دعا کو گزرے تین ماہ ہوچکے تھے۔ سکندر شاہ کا کچھ پتا نہ تھا دعا کا بیٹا ارحم شاہ زرینہ پھوپو کے پاس تھا۔ ایک روز پتا چلا سکندر شاہ کا کسی گانے والی کے کوٹھے پر جھگڑا ہوا اور اس کے نتیجے میں اس کا قتل ہوگیا۔ ہر بات سے قطع نظر وہ زرینہ پھوپو اور مہروز شاہ کا اکلوتا بیٹا اور ہادیہ کا اکلوتا بھائی تھا۔ وہ لاکھ برا سہی مگر ماں جی کو اس کی جواں مرگ پر افسوس ہوا تھا۔ ضمائر شاہ شہر سے وقتاً فوقتاً چکر لگاتا رہتا تھا۔ حوریہ کے ساتھ وہی سرسری سا رویہ تھا۔ حوریہ کو اس کی بے اعتنائی بری طرح کھٹکنے لگی تھی۔ ہر بار اس سے بات کرتے ”معافی مانگنے کا سوچتی مگر انا آڑے آجاتی۔

اس روز حیات شاہ نے رات کے کھانے کے بعد سب بہوؤں بیٹوں کو بلا بھیجا۔ عنایت شاہ‘ ولایت شاہ‘ بی بی جان‘ ماں جی‘ سلمان اور ضمائر شاہ۔ ضماد شاہ اسلام آباد گیا ہوا تھا۔

”میں نے سب کو اس لیے بلایا ہے کیونکہ میں کچھ اہم فیصلے کرنا چاہتا ہوں۔“ حیات شاہ نے بات شروع کی۔ ”ہم لوگ خاندانی رئیس اور عزت دار لوگ ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ گھر کی دولت گھر میں ہی رہے۔ باہر کے لوگ جانے کس قماش کے ہوں۔ یہ ہماری صدیوں پرانی روایت ہے اور ہم اس کے پابند ہیں۔ ہم ضماد شاہ کے بیٹے اذلان شاہ کی نسبت سلمان شاہ کی بیٹی اجالا کے ساتھ طے کررہے ہیں۔ مہروز شاہ کے پوتے ارحم شاہ کے لیے فی الحال تو کوئی رشتہ نہیں ہے۔ ہاں اگر ضمائر شاہ کی بیٹی ہوئی تو اس کا رشتہ ارحم شاہ سے طے ہوگا اور......“



”بس دادا سائیں! بہت ہوگیا۔“ ضمائر شاہ ایکدم بھڑک اٹھا تھا۔ سب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں لہو رنگ ہورہی تھیں۔

”برخوردار! تم کہنا کیا چاہتے ہو؟“ حیات شاہ نے تیکھے چتون سے اسے گھورا۔

”دادا سائیں یہ آمریت کا کھیل اب ختم ہوجانا چاہیے۔ آپ نے یہ ہم لوگوں کو سمجھ کیا رکھا ہے۔ ہم آپ کی انگلیوں کے اشاروں پر ناچنے والی کٹھ پتلیاں نہیں ہیں۔ جیتے جاگتے انسان ہیں۔ دعا والے واقعے کے بعد بھی آپ یہ بچپن کے رشتے طے کرنے جیسی فرسودہ روایت پر قائم ہیں۔“

”ضمائر شاہ! دعا کے نصیب میں یہی لکھا تھا۔“ حیات شاہ گرجے۔

”نصیبوں کو دوش مت دیجیے۔ انسان چاہے تو تدبیر سے تقدیر کا رخ موڑ سکتا ہے۔ دادا سائیں یہ بچپن کے رشتے ناتے کسی طور درست نہیں ہوتے۔ جانے کل کو وقت کیا کروٹ لے اور پھر انسان کی اپنی بھی کوئی پسند ہوتی ہے۔ سکندر شاہ کے بارے میں کسی نے سوچا تھا کہ جوان ہونے پر وہ کس قماش کا نکلے گا۔ دادا سائیں آپ نے اپنے آپ کو مطلق العنان سمجھ لیا ہے۔ آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کی زبان سے نکلا ہر لفظ پتھر پر لکیر ہے۔ آپ کے خیال میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل ہوگی تو یہ آپ کی بھول ہے۔ کم از کم میں کسی بھی ناجائز بات پر آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ دعا کی مثال ہمارے سامنے ہے پھر بھی آپ تاریخ دہرانے چلے ہیں۔ کتنا روکا تھا میں نے آپ کو کہ سکندر شاہ دعا کے لائق نہیں ہے۔ مگر آپ...... آپ کسی کو انسان ہی کہاں سمجھتے ہیں۔ آپ تو صرف اپنی منوانا چاہتے ہیں۔ اس دولت کو بچانا چاہتے ہیں۔ کیا ہے یہ دولت؟ زر‘ زمین‘ جائیداد‘ کیا آخرت میں یہ ہمارے کام آئے گی؟ نہیں دادا سائیں سب کچھ یہیں رہ جائے گا۔ صرف ہمارے اعمال ہمارے ساتھ جائیں گے۔ اس جہان میں عزت کا معیار دولت و ثروت ہوگا مگر اس جہاں میں اہمیت ہمارے اعمال کی ہوگی۔ قارون کے پاس کتنی دولت تھی کیا اس کے کام آئی؟ کیا اسے زمین میں دھنسنے سے بچا سکی؟ نمرود کی دولت اس کو ذلت بھری موت سے بچا سکی؟ انسان دولت کے بل بوتے پر سب کچھ کرلینے کا دعویٰ کرتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ مادی دولت تو خود انسان کی محتاج ہے۔ کیا فائدہ ایسی دولت کا جو انسان کو گھٹ گھٹ کر جینے پر مجبور کردے۔ مجھے آپ کا یہ فیصلہ منظور نہیں ہے۔ باقی سب کا تو مجھے پتا نہیں مگر میں اپنی اولاد کو دنیا میں آنے سے پہلے ہی زندہ درگور نہیں کرنا چاہتا۔“ وہ یہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ حیات شاہ کا چہرہ غصے و تذلیل کے احساس سے سرخ ہو رہا تھا۔

”ہم اس گستاخ کو عاق کردیں گے۔“ وہ غصے سے کانپ رہے تھے۔ ”وہ ہوتا کون ہے۔ ہماری روایتوں کو توڑنے والا۔“

”کس نے بنائی ہیں یہ روایتیں۔ قرآن یا حدیث میں تو ایسی کسی روایت کا ذکر نہیں ہے۔ ہمارا مذہب تو ہر مرد اور عورت کو اپنے جیون ساتھی کے انتخاب کا پورا پورا حق دیتا ہے۔ ضمائر شاہ نے جو کہا ٹھیک کہا۔ میں اس کے ساتھ سو فیصد متفق ہوں۔ غلطی ہمارے والدین کی بھی ہے۔ ان کا قصور بھی اتنا ہی ہے جتنا آپ کا۔ یہ ان کا فرض بنتا تھا کہ اپنی اولاد کو ایسے ظالمانہ فیصلوں کی بھینٹ نہ چڑھنے دیتے جن کا شکار دعا ہوئی ہے۔ میں اتنا ظالم نہیں کہ اپنی بیٹی کے ساتھ یہ ظلم کروں۔ ہاں بچوں کے جوان ہونے پر ایسی باتیں زیب دیتی ہیں مگر وہ سب بعد کی باتیں ہیں۔“ سلمان شاہ بھی اٹھ کر چلا گیا۔ حیات شاہ غصے میں کف اڑانے لگے۔

”عنایت شاہ‘ ولایت شاہ! دیکھا تم لوگوں نے تمہاری اولادیں اب ہم سے ٹکر لیں گی؟“

”بابا سائیں آج کی نسل ہم سے زیادہ باشعور اور نڈر ہے۔ انہوں نے جو کچھ کہا وہ ہمیں آج سے تیس برس پہلے کہنا چاہیے تھا۔“ عنایت شاہ اور ان کے پیچھے باقی سب بھی باہر نکل گئے۔ حیات شاہ غم و غصے کی تصویر بنے ڈھے سے گئے۔ اتنے برسوں سے وہ اپنی مرضی سے فیصلے کرتے آرہے تھے مگر کبھی کسی کو اعتراض کرنے کی جرات نہیں ہوئی تھی۔ آج انہیں یقین ہوگیا تھا کہ ان کے اقتدار کا سورج غروب ہوگیا تھا۔

آج میں بے حد خوش ہوں۔ جانتے ہیں کیوں‘ کیونکہ مجھے آج معلوم ہوا ہے کہ ضمائر شاہ مجھ سے کتنی محبت کرتا ہے۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی شہر کے لیے روانہ ہوا ہے۔ مگر اپنی ڈائری بھول گیا ہے۔ نہ صرف یہ ڈائری بلکہ اس کے پرسنل سیف میں گزشتہ کئی برسوں کی ڈائریاں موجود ہیں۔ جن کا

میں نے بڑی فرصت سے مطالعہ کیا ہے۔ ان ڈائریوں میں اس نے اپنی یادداشتیں رقم کی تھیں۔ میں نے پورا دن انہی ڈائریوں کے مطالعے میں گزار دیا۔ ہر صفحے پر میرا ذکر موجود ہے۔ جوں جوں میں پڑھتی گئی مجھ پر عیاں ہوتا گیا کہ ضمائر شاہ مجھ سے کتنی شدید محبت کرتا ہے۔ دعا کے لیے فکر اور پریشانی کا اظہار بھی جگہ جگہ کیا ہے۔ کچھ جملے تو ایسے تھے جنہیں پڑھ کر مجھے اپنی قسمت پر رشک آیا۔

"جب دادا سائیں نے کہا کہ وہ حوریہ کا رشتہ سکندر شاہ سے طے کردیں گے تو مجھے اپنے جسم سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔"

"اچانک نکاح کے فیصلے پر مجھے خاصی حیرانی ہوئی تھی۔"

"میں جانتا ہوں وہ بے وقوف محض دادا سائیں کی ضد میں شمیل خان کی طرف بڑھ رہی ہے۔"

"جی چاہتا ہے اسے شوٹ کردوں۔ وہ کہتی ہے اسے مجھ سے نفرت ہے۔"

"کتنی آرزو تھی کہ اسے دلہن بنا دیکھوں مگر جب وہ اس روپ میں ملی بھی تو دل کے ارمانوں پر برف جمی تھی۔"

"میں چاہتا ہوں کہ اس کی نفرت کا جواب نفرت سے دوں مگر خود کو بے بس محسوس کرتا ہوں۔ میں شاید کبھی بھی اس سے نفرت نہیں کرسکتا۔"

"ہدیٰ ابراہیم اچھی لڑکی ہے مگر جب بھی اسے حوریہ کی جگہ رکھتا ہوں تو دل کانپ سا جاتا ہے۔ مجھے ہدیٰ ابراہیم کے چہرے میں بھی اس کا چہرہ نظر آنے لگتا ہے جس پر ہدیٰ مجھ سے خفا ہو جاتی ہے۔"

اور ایسے کئی جملے تھے جو میرے دل کے تاروں کو چھیڑ رہے تھے۔ میں نے کل رات کو ضمائر شاہ کی وہ تقریر بھی اپنے کانوں سے سنی تھی جو اس نے دادا سائیں کے سامنے کی تھی۔ میں اپنے رب کی شکر گزار ہوں کہ وہ دیوتا جیسا شخص میرا ہے۔ صرف میرا۔

خوش حال سے تم بھی لگتے ہو
یوں افسردہ تو ہم بھی نہیں
پر جاننے والے جانتے ہیں
خوش تم بھی نہیں خوش ہم بھی نہیں
تم اپنی خودی کے پہرے میں
اور دامِ غرور میں جکڑے ہوئے
ہم اپنے زعم کے نرغے میں
انا ہاتھ ہمارے پکڑے ہوئے
اک موت سے غلطاں و پیچاں
ہم ربط و گریز کے دھاروں میں
ہم اپنے آپ سے الجھے ہوئے
پچھتاؤں کے انگاروں میں
سنو کھیل ادھورا چھوڑتے ہیں
بنا چلے بنا مات کیے
جو بھاگتے بھاگتے تھک جائیں
وہ سائے رک بھی سکتے ہیں
چلو توڑو قسم اقرار کریں
ہم دونوں جھک بھی سکتے ہیں

ایک سادہ سے کاغذ پر لکھی۔ یہ نظم مجھے آج صبح ہی ڈاک کے ذریعے موصول ہوئی تھی۔ میں آنکھیں بند کر کے بتا سکتا ہوں کہ یہ تحریر سوائے حوریہ شاہ کے اور کسی کی نہیں ہوسکتی۔ مرد ہوں اور عورت کے انداز سمجھتا ہوں۔ جانتا ہوں کہ وہ بہت پہلے ہی میرے سامنے ہتھیار ڈال چکی ہے۔ گزشتہ چند ماہ سے مجھے شک ہوا کہ وہ مجھ سے محبت کرنے لگی ہے اور آج یقین بھی آگیا ہے اپنی جگہ وہ بھی غلط نہیں تھی۔ بڑے شاہ کے فیصلوں کی ضد میں وہ یہ سب کر رہی تھی اور احتجاج کے طور پر مجھ سے برا سلوک روا رکھتی تھی۔ اس کا یہ احتجاج رفتہ رفتہ بغاوت کی طرف سفر کرنے لگا تھا اور یہ اسی بغاوت کا شاخسانہ تھا کہ وہ شمیل خان اور صالحہ آنٹی جیسے لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی تھی۔ محبت شک سے پاک ہوتی ہے۔ میں نے کبھی بھی حوریہ پر شک نہیں کیا بلکہ اس کی بے وقوفی پر کڑھتا رہتا تھا مگر میں بھی انسان ہوں۔ کب تک اس کی سرد مہری برداشت کرتا۔ شادی سے چند ہفتے قبل ایک بزنس ڈنر میں ہدیٰ ابراہیم سے ملاقات ہوئی جو ملک کے نامور انڈسٹریلسٹ ابراہیم بیگ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس سے میری دوستی ہوگئی۔ انہی دنوں حوریہ سے شادی جن حالات میں ہوئی اس کے بعد ہدیٰ ابراہیم سے جذباتی تعلق خود بخود بڑھ گیا۔ مگر شاید وہ ٹھیک ہی کہتی تھی کہ مجھے اس سے محبت نہیں بلکہ ایک جذباتی لگاؤ تھا۔ میں حوریہ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ ادراک مجھ پر تب ہوا جب میں ہدیٰ سے نکاح کرنے جا رہا تھا۔ یہ شادی ہو بھی جاتی تو بھی شاید میں کبھی خوش نہ رہ پاتا۔ شاید میں بھی روایتی مرد بن کر سوچنے لگا اگر سعدیہ میری مدد نہ کرتی۔ سعدیہ حوریہ کی بیسٹ فرینڈ اس نے صحیح معنوں میں دوست ہونے کا حق ادا کیا۔ شمیل خان سے بڑھتے تعلقات، زوبی سے دوستی سے لے کر حوریہ کی مجھ سے شادی تک ہدیٰ ابراہیم سے دوسری شادی کے اجازت نامے پر دستخط کرنے سے لے کر میری بے اعتنائی پر رونے تک ایک ایک بات مجھے سعدیہ کے توسط سے پتا چلی۔ حوریہ سعدیہ سے کوئی بات نہیں چھپاتی تھی اور سعدیہ مجھ سے۔ حالات آج بھی کبھی سازگار نہ ہوتے اگر سعدیہ کی مدد شامل حال نہ ہوتی۔ ہماری محبت کی اس کہانی میں سب سے بڑا اور پاور فل رول تو سعدیہ نے ادا کیا ہے۔ حوریہ شاہ میری اولین چاہت میری زندگی کا پہلا اور آخری پیار پیش قدمی تو وہ کر ہی چکی ہے اب میری باری ہے۔

♥♥♥

موسم ابر آلود ہو رہا تھا۔ بارش کے آثار لگتے تھے۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ وہ سوچوں میں غلطاں جھروکے میں کھڑی تھی۔ ارد گرد سے یکسر لاعلم۔ حتیٰ کہ دروازہ کھلنے اور بند ہونے پر بھی وہ نہیں چونکی تھی۔ ہوا میں نمی اور تیزی بڑھ گئی تھی۔ پیاسی دھرتی نے آسمان کی طرف نگاہ کی۔ "بارش کیوں نہیں ہوتی؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ محض وقتی بہلاوے کو ابر آئے اور بنا برسے بنا پیاس بجھائے چلا جائے۔ نہیں نہیں۔" دھرتی کی پیاس کچھ اور بڑھ گئی۔ سینے کی جلن میں کچھ اور اضافہ ہوگیا۔ شاید ابر کو پیاسی دھرتی پر رحم آگیا تھا۔ بارش کے چند قطرے ہوا کے دوش پر اڑتے ہوئے اس کے چہرے پر پڑے تھے۔ اس نے چہرے کی نمی کو ہاتھ لگا کر محسوس کیا۔

"حوریہ!" کندھوں پر اس کے ہاتھوں کا دباؤ محسوس کر کے وہ پلٹی، بے یقین نگاہیں اس کے چہرے پر گاڑ دیں۔ ضمائر شاہ نے اس کی نگاہوں سے چھلکتی بے یقینی کو یقین میں بدلنے کے لیے ہاتھوں کا دباؤ بڑھایا۔ باہر بوندا باندی ہو رہی تھی۔ بارش کی کن من دھرتی کے دامن کو بھگو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں بھی ساون برسنے لگا۔ ضمائر شاہ کے سینے سے لگی وہ آنسو بے دریغ لٹا رہی تھی۔ بارش بہت دیر سے رکی ہوئی تھی۔ ایکدم تیز ہوئی تو ہواؤں میں بھی تیزی آگئی۔ ضمائر نے بہت پیار سے اس کو اپنے حصار میں لیتے ہوئے بارش کے قطروں کی ٹھنڈک کو اپنے سینے پر محسوس کیا۔

"ضمائر مجھے معاف......" روتے روتے جی بھر گیا تو سر اٹھایا۔

"ششش۔" شنگرفی لبوں کو کچھ بھی کہنے سے باز رکھا۔ "محبت وہ نہیں ہوتی جو معافی اور پشیمانی کی طلب گار ہوتی ہے۔ محبت تو وہ ہوتی ہے کہ بنا کہے بنا کچھ بولے ایک دوسرے کے دل کی بات جان لی جائے۔ صرف یہ احساس ہی کافی ہوتا ہے کہ آپ سے غلطی ہوئی ہے۔ باقی سب باتیں بے بنیاد اور غیر ضروری ہوتی ہیں۔" کتنا مدلل اور مضبوط لہجہ تھا اس کا۔ حوریہ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"ارے! بارش تو کب کی رک چکی۔ تم سیلاب لانے کا ارادہ رکھتی ہو؟" شرارت سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ تو وہ دھیرے سے مسکرا کر نفی میں سر ہلانے لگی۔

"کیا محبت اظہار مانگتی ہے؟" حوریہ نے پوچھا تو ضمائر کی آنکھیں جانے کس احساس کے تحت چمکنے لگیں۔

"کیا تم ایسا سمجھتی ہو؟" الٹا اس سے دریافت کیا۔ وہ بے اختیار اثبات میں سر ہلا گئی۔

"تو پھر میں بھی ایسا ہی سمجھتا ہوں۔ پھول کی خوشبو تو سونگھنے پر ہی محسوس کی جاسکتی ہے۔ محبت بھی ایک پھول ہے۔ جس کی خوشبو اظہار مانگتی ہے۔ خاص طور پر جب محبوب تم جیسا اناڑی ہو۔" لہجے میں وارفتگی پنہاں تھی۔ حوریہ نے محجوب سی ہو کر اسی کے وجود میں پناہ تلاش کرلی۔ بارش ایک بار پھر تیز ہوگئی تھی۔ سوندھی مٹی کی خوشبو اس بات کی دلیل تھی کہ پیاسی دھرتی سیراب ہوگئی تھی۔ بارش کے پانی نے سب میل صاف کردیا تھا۔ دھلنے کے بعد ہر شے نکھری اور چمکتی ہوئی لگ رہی تھی۔

نیو سٹوڈنٹ لائبریری
ہسپتال روڈ صادق آباد
نوٹ کتاب کے اوپر لکھنا منع ہے۔ کتاب پھٹی نہ ہو نہ ہی خراب ہو ورنہ کتاب کی قیمت بمعہ جلد کرایہ وصول کیا جائیگا شکریہ
فون نمبر 74367